کی یہ شان۔ اُس کے ذاتی کمال اور مخصوص اوصاف ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی طرف سے کوئی کام یا کوئی حکم اُس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ وہ اُس کی نسبت اپنی حجت تمام نہیں کر لیتا۔ اس مسئلہ کی نسبت تمامی علمائے قیافہ کا آنا۔ اُن کا فیصلہ کرنا۔ اور اُن کے فیصلہ پر جانبین کا رضامند ہو جانا۔ یا اور جو کچھ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا وہ سب اپنے بھائیوں کے ساتھ اتمام حجت کی غرض سے تھا۔ کیونکہ اُن کی موجودہ خودغرضی اور نفسانیت کو دیکھکر آپ نے یقین کر لیا تھا کہ یہ اُس کے متعلق کسی ثبوت اور تصدیق پر اعتبار نہیں کرینگے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اُس کے لئے جو تدبیر وہ سوچیں اور عمل میں لانا چاہیں اُسی کو منظور کر لیا جاوے۔ کہ بغیر کسی فتنہ و فساد کے جو انواع اقسام کی بدنامی اور ہتک آبرو کے باعث ہوتے ہیں اُنکی خود تسکین اور تشفی ہو جاوے۔ اور پھر اُنہیں کوئی حجت یا کوئی دلیل آیندہ تعریض کے لئے باقی نہ رہے۔ یہ وجوہ تھے جن کو مدنظر رکھکر جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے علمائے قیافہ کی تجویز اور فیصلہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ ورنہ ان کا فیصلہ آپکے نزدیک کسی اعتبار کے قابل نہیں تھا۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ موقع اور ضرورت بھی ایسی ہی تھی۔ اور اُس وقت کی مخالفانہ طبیعتوں کے انداز و آثار بھی ایسے ہی تھے۔ کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اگر ایک نہیں ہزار ثبوت پہنچاتے مگر یہ حضرات نہ مانتے۔ اور انکار پر انکار کرتے ہی چلے جاتے۔ اس لئے سوائے اس تدبیر کے کہ اُنہیں کی تجویز پر اسکا فیصلہ چھوڑ دیا جاوے اور کوئی دوسری تدبیر مصلحت وقت نہیں تھی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اس واقعہ میں اپنا تحمل اور ضبط پورے طور سے دکھلا کر اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے بھائیوں کے اختیار میں دیدیا تھا۔ اور اُنہوں نے جس ہیئت اور صورت سے چاہا۔ بنا کر علمائے قیافہ کے آگے پیش کیا۔ عام اس سے کہ وہ حیثیت آپ کے موجودہ منصب اور شان سے کیسے ہی خلاف ہو۔ مگر آپ نے اس کی نسبت کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اور بغیر کسی عذر کے بھائیوں کے حکم کے مطابق ایک معمولی مزدور کی شان میں ہو کر باغ کے اندر کام کرنے چلے گئے۔ کیا دنیا کے وسیع کارنامے میں اس سے بڑھکر بھی احتیاط۔ سلامت روی۔ صلاح نفسی اور امن پسندی کی کوئی دوسری مثال دکھلائی جاسکتی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ عموماً تمام دنیا ایسے اخلاقی جوہروں سے خالی ہے۔ اور اگر کہیں شاذونادر ایسی مثالیں ملیں بھی تو وہ خاصان الٰہی کے مخصوص طبقہ تک ضرور

محدود پائی جائینگی۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت

بہر حال۔ اوپر کے واقعہ کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا سن مبارک اس وقت چار برس سے زیادہ نہیں تھا۔ تو اس حساب سے یہ واقعہ ۱۹۸ھ ہجری میں بزمانہ سلطنت امین پیش آیا۔ جہاں تک آپ کے حالات کی تلاش کی گئی ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کل ڈیڑھ برس تک اور آپ اپنے پدر عالیمقدار حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی صحبت اور حضوری میں شرف اندوز ہوا کئے۔ ۱۹۹ھ ہجری کے آخر میں مامون نے آپ کو مدینہ سے مرو میں بلا بھیجا۔ ۲۰۱ھ میں ولیعہد بنایا اور ۲۰۲ھ ہجری میں شہید کر دیا۔

ان وجوں سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس طبقہ میں جتنی جلد یتیمی اور بے پدری کی مصیبت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اٹھائی اتنی کسی اور بزرگ نے نہیں۔ اشفاق اور فیوض پدری سے مستفید اور مستفیض ہونے کا جسقدر کم موقع آپ کو ملا ویسا کسی اور بزرگوار کو نہیں۔ اور کچھ انہیں امور پر منحصر نہیں۔ ہم نے جہاں تک آپ کے حالات پر غور کیا ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں سب سے قلیل زمانہ امامت کے متعلق آپ ہی نے پایا ہے۔ اور اس مقدس دائرے میں کسی بزرگوار نے اتنی کم سنی میں وفات نہیں پائی جتنے تھوڑے سن میں آپ نے رحلت فرمائی۔ عمر شریف کل پچیس برس کی تھی کہ آپ نے تنگنائے فانی سے وسعت آباد جاودانی کی طرف نہضت فرمائی۔

کم سنی میں آپ کے امام ہونے سے بہت بڑے مفید اور ضروری مصالح معلوم ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو امام کی پوری معرفت ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امام منصوب من اللہ کے لئے مساوات فی المدارج ضروری ہے۔ تفاوت سن اور عمر کی کمی و بیشی اعتبار اور شمار کے قابل نہیں۔ کیونکہ اسی سن میں اور اتنی ہی عمر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات آپ کی جامعیت اور قابلیت آپ کے اوصاف و کمال کو اپنے مقدس بزرگواروں کی پوری مثال ثابت کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی اسی کم سنی میں عرب کے ایسے ایسے علمائے متبحرین اور فضلائے کاملین سے مباحثے اور مناظرے کے مختلف اور متعدد معرکے پیش آئے۔

جو اپنی قابلیت اور استعداد کے اعتبار سے تمام اہل عرب کے سرمایۂ ناز اور باعث افتخار خیال کئے جاتے تھے۔ مگر ان مناظروں اور مباحثوں کے تمام جلسوں میں آپ نے اپنے مقابل علماء کی اونچی گردنوں کو ایسا نیچا کر دیا کہ پھر اُن کو آپ کے سامنے اپنا سر اُٹھانے کی مطلق جرأت نہو سکی اور اُن کے سخت سے سخت مسائل کے ایسے کافی جواب دئے کہ اُن لوگوں کو سوائے انفعال کے پھر کسی آیندہ قیل وقال کی مجال نہیں ہوئی۔ اُن کے سکوت عاجزانہ کو ملاحظہ فرماکر پھر آپ نے اپنی طرف سے بھی سوال کئے۔ اور وہ ان کے جواب میں ایسے ساکت اور خموش ہوئے کہ اپنی ندامت کا سر نیچے سے اوپر نہ اُٹھا سکے۔ جیساکہ آیندہ واقعات سے پوری تفصیل کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ انشاءاللہ المستعان۔

ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ امام منصوب من اللہ کی تحصیل وتکمیل اُسکے سن اور عمر پر موقوف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس کی تحصیل کے تمام ذریعے وہبی ہوتے ہیں۔ نہ کسبی۔ پھر وہبی طریقوں کو طول عمر یا امتداد ایام کی کوئی مجبوری لازم نہیں آتی۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی قلیل العمری نے کامل طور پر ثابت کر دیا کہ آپ کی تحصیل بالکل وہبی طریقہ سے ہوئی تھی۔ کیونکہ ہر شخص آپ کی جامعیت اور استعداد وقابلیت کے حالات پڑھکر معلوم کرسکتا ہی کہ آپ کے قبل حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں اکثر بزرگواروں نے ایک زمانۂ محدود تک اپنے اپنے امام لاحق کی خدمات تحصیل کا شرف واستفادہ حاصل فرمایا ہے۔ بخلاف اُن ذوات مقدسہ کے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو تو اتنا موقع بھی نہ ملا۔ روز ولادت سے لیکر کل پانچ برس تک آپ کو اپنے والد بزرگوار کی صحبت وخدمت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچکر دو برس کے بعد شہید کر دئے گئے۔ تو اس صورت میں مثل اور بزرگواروں کے آپ کا اپنے پدر عالیمقدار کی خدمت میں ایک خاص مدت تک رہکر تحصیل علوم کی تکمیل کرنا۔ اور اپنے معلومات کو کمال کے انتہائی درجہ تک پہنچانا ثابت نہیں ہوتا۔ اور ہر شخص ظاہری طور پر آپ سے آپ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس بچہ نے کل پانچ برس تک اپنے قابل اور ذی لیاقت پدر عالیمقدار کی صحبت میں تحصیل علم کی ہو اُسکی مقدار علمی کہاں تک پہنچی ہوگی۔

مگر نہیں۔ جب آپ کے علمی مباحث پر نظر کی جاتی ہے اور اُن اہم سے اہم اور ادق سے

ادق مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں آپ کے ایسے مؤید من اللہ کو واقعی کسی شخص کی تعلیم و تدریس کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ اگر پانچ برس کیا کچھ بھی زمانہ صحبت و ملازمت پدری کا آپ کو نہ ملتا تب بھی آپ کی جامعیت اور قابلیت کی یہی کیفیت ہوتی۔ اس لئے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کم سنی نے امام منصوص من اللہ کی تحصیل کو وہبی طریقہ پر حاصل ہونا ایسے قوی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ پھر اُس میں کسی کو کوئی عذر اور کلام باقی نہیں رہتا۔

بہر حال۔ یہاں تک تو وہ حالات تھے جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طفولیت اور کم سنی کے متعلق حدیث و سیر کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو بالکل کم سنی کے زمانہ سے مختلف اقسام کے مصائب برداشت کرتے ہوئے۔ ۱۹۸ھ ہجری میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام مرو تشریف لے گئے۔ اور آخر کار آپ کو انہیں لوگوں کے ہمراہ مدینہ میں رہنے کی مجبوری ہوئی۔ جن کی بیدردی۔ بیمروتی اور بے اتفاقی کے حالات اوپر قلمبند ہو چکے ہیں۔

ان حالات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو اپنے فرزند دلبند کی مفارقت اختیار کرنے میں کیسی سخت مجبوری حائل تھی۔ اور اُن کو موجودہ زمانہ میں تن تنہا چھوڑ کر چلے جانے سے آپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی اپنے والد بزرگوار سے جُدا ہوتے ہوئے کیسے سخت رنج و ملال سے سامنا ہوا ہوگا۔ مگر طرفین سے مجبوری اور معذوری کی ایسی ناگزیر حالتیں قائم تھیں جو کسی طرح ایک کو دوسرے کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ مضامین کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے وقت وفات سے لیکر حضرت امام محمد تقی علیہ لسلام کی مدت حیات تک گزرے ہوئے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مامون کے بقیۂ ایام سلطنت

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات سے فراغت کرکے مامون اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ خراسان سے بغداد کی طرف بڑھا۔ اور یلغار پر یلغار کرتا ہوا بہت جلد حلوان پہنچا۔ اور یہاں پہنچکر اُس نے بغداد کی مہم حمید طوسی کو سپرد کرکے اُس کو ایک فوج جرار کے ساتھ

دار الخلافت کی طرف بھیجا۔ اور آپ حلوان سے اُٹھکر حدود عراق میں داخل ہوا۔ اور یہاں کی بدنظمیوں اور بدامنیوں کی اصلاحوں کی طرف متوجہ ہوا۔

حمید طوسی نہایت ہوشیار اور تجربہ کار فوجی افسر تھا۔ اُس نے بغداد میں پہنچتے ہی سب سے پہلے وہاں کی پریشاں حال اور برخاستہ خاطر فوج کو اپنی سازش میں لے لیا۔ اور فوج کے بعد رعایا کی اضطرابی حالتوں میں بھی دلجوئی اور تشفی کر کے پوراسکوں اور اطمینان پیدا کر دیا۔ اور انہیں دونوں طریقوں سے اُس نے ابراہیم کی شکست اور اُسکی گرفتاری کے پورے انتظام کرلئے۔

ابراہیم بھی بڑا چلتا پُرزا تھا۔ وہ حمید کے ایسے جہاندیدہ افسر کی ماموری کی خبر پاتے ہی موقع سے ہٹ گیا۔ اور بغداد کی امارت عیسےٰ ابن خالد المرادی کو سپرد کر دی۔ اور خود روپوش ہو گیا۔ بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بغداد سے نکل کر واسط اور واسط سے بصرہ پہنچا۔ مگر اس اطراف میں مامون کی آمد آمد کی خبر سنکر پھر بغداد آنے پر مجبور ہو گیا۔ بعض تاریخیں یہ بتلاتی ہیں کہ نہیں وہ کہیں نہیں گیا۔ اور شروع سے لیکر آخر تک بغداد ہی میں رہا۔ اگرچہ اُسکو امارت سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا مگر وہ بغداد میں ایسی احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے آپ کو چھپائے رہا کہ اُسکی مخالف پارٹی کو اُسکا مطلق سراغ نہ لگا۔

ابراہیم کی شکست

بہرحال۔ حمید طوسی اور ابراہیم کے نائب عیسےٰ ابن خالد المرادی کے فیمابین مقابلہ کی نوبت آہی گئی یہ مقابلہ صرف ظاہری طور پر برائے نام کیا گیا۔ اہل فوج کے نام تو عیسےٰ رجسٹر میں درج تھے مگر اُن کے قلوب کلیتًہ حمید کی طرف پہلے ہی سے مائل ہو چکے تھے۔ پھر وہ کیا لڑتے۔ غرض ایک چشم زدن میں حمید نے عیسےٰ کی تمام جمعیت کو بغداد کے بیرونی حصہ میں کامل شکست پہنچائی فوج پسپا ہو کر بغداد کے قلعۂ شاہی میں واپس آئی۔ اب سنئے۔ یہاں پہنچکر افسران فوج نے حمید کو لکھ بھیجا کہ تم جلدی سے قلعہ میں چلے آؤ تو ہم ابراہیم کو فورًا گرفتار کرا دیں۔ حمید کو جب افسران فوج کا یہ خط ملا تو وہ فورًا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دار الخلافت بغداد میں بلامزاحمت داخل ہو گیا۔ مگر قبل اس کے کہ حمید قلعۂ بغداد میں داخل ہو کر اُس کی گرفتاری کا کوئی بندوبست کر سکے ابراہیم قلعۂ بغداد سے نکل گیا۔ اور حمید ہاتھ مل کر رہگیا۔

حمید ۱۵ محرم سنہ ۲۰۳ ہجری کو پورے طور سے دار الخلافت بغداد پر قابض ہو گیا۔ اور اُس نے رعایا اور اہل فوج کی دلجوئی اور مزید اطمینان کے پورے سامان درست کرلئے۔ شہر کی آبادی۔

رعایا کی نگرانی اور حفاظت۔ اہل فتنہ اور فساد اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کی پوری سیاست کی۔ جو آئے گئے دن رعایا کے لئے انواع واقسام کی پریشانی اور ایذا رسانی کا باعث ہوتے رہتے تھے۔ اُسے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ رعایا اور اہل فوج دونوں فرقے حسن اہل سہل سے سخت ناراض تھے۔ اُس کی تنگدلی اور جزرسی اور سختگیری دونوں طبقوں کے کمال ملال کا باعث ہوئی ہے۔ اس لئے اُس نے اپنے امور کے استحکام اور استحفاظ کے خیال سے پہلے رعایا کے آرام وآسائش کا تو یہ انتظام درست کیا جیسا کہ لکھا گیا۔ اہل لشکر کی خاطرداری اور دلجوئی اسطرح کی گئی کہ اُن سے مامون کی بار دیگر بیعت اور اطاعت کے مستحکم اقرار لئے گئے۔ اور اُن کو تین تین مہینے کی پیشگی تنخواہیں تقسیم کردی گئیں۔ جو اُن فاقہ مستوں کی کمال خوشنودی اور اطمینان کا باعث ہوا۔ ان لوگوں کے مزید اطمینان اور تشفی خاطر کے لئے حسن ابن سہل کو اُس کے جنون کی حالتوں میں سراج غلام کی حراست میں سپرد کیا۔ اور وہ طبیب شاہی جو مامون کی طرف سے اُس کے ظاہری اور مصنوعی علاج کے لئے مامور تھا۔ سراج کے ہمراہ کردیا۔ سراج نے حسن کو پھر ایک علیحدہ مکان میں رکھدیا۔ اور طبیب شاہی مامون کی خاص تجویز کے مطابق اُسکا علاج کرتا رہا۔

مامون کا بغداد میں داخلہ اور عباسیوں کی دلجوئی

حمید نے اپنے محاسن لیاقت اور ذی استعدادی سے بغداد کے تمام امور درست کرلئے۔ سالہا سال کی بدنظمی اور پُرآشوبی کی خراب وبرباد حالتوں میں امن وامان کی صورت پیدا کردی۔ رعایا اور فوج دونوں کی ابتر حالتوں کو سنبھال لیا۔ اور اُن کو شریر اور مفسدہ انگیز لوگوں کے پنجہ سے نکال لیا۔ اور مامون کی گئی گزری اور مٹی مٹائی سلطنت کو بار دیگر پھر زندہ کرلیا۔ یہ سب کچھ تو ہو گیا مگر تاہم وہ عباسیوں کے اختلاف کی کوئی اصلاح نہ کرسکا۔ جو ان تمام خرابیوں کے اصلی باعث ہو رہے تھے۔

حمید بہت بڑا تجربہ کار اور بیدار مدبر تھا۔ اُس نے اس سلسلۂ شاہی سے جو اقارب سلطانی ہونیکا شرف رکھتے تھے کسی فوری تحریک اور ایکباری چھیڑ چھاڑ کو قرین مصلحت نہ سمجھا۔ بلکہ اپنی رعایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی سے اُن کو ان کی موجودہ حالتوں میں چھوڑ دیا۔ اور اُن سے کسی قسم کی کوئی تحریک نہیں کی۔ مگر ہاں جب فوج اور رعایا کو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُن سے توڑ کر اپنی طرف ملالیا اور اس ترکیب سے اُنکی مجموعی قوتوں کا کامل استیصال اور اُنکی بڑوں کی

امیدوں کو پامال کر چکا تو بنی عباس بھی سمجھے کہ "آہن را آہن می شکند" صحیح ہے۔ فوج اور رعایا کے رنگ بیرنگ اور طور بیطور دیکھکر وہ بھی اپنے مقام سے جنبش نہ کر سکے۔ اور جہاں تھے وہیں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ اور حمید کے کسی امر میں مداخلت کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کی اصلی وجہ یہی تھی کہ ان لوگوں کے تمام امور رعایا اور فوج کے زوروں پر تھے۔ اور وہ اس وقت حمید کے زیر اثر آ چکے تھے۔ پھر یہ حمید سے مخالفت کا قصد کرتے تو کس تو ت پر۔ انہیں مجبوریوں کی وجہ سے وہ سب کے سب خاموش رہے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔ مگر ہاں اُنہوں نے ابراہیم کو قلعہ سے پوشیدہ نکل جانے میں پوری مدد پہنچائی۔ اور کچھ ایسی ترکیب کی کہ وہ حمید کے آنے سے پہلے بغداد کے قلعہ سے چلدیا۔ حمید طوسی نے عباسیوں کی تنبیہ اور اصلاح حال کو مامون کی تجویز سلطانی اور تدبیر خسروانی پر اُٹھا رکھا۔ اور بغداد کا پورا انتظام کر کے اُس نے مامون کی خدمت میں یہاں کے تمام و کمال حال لکھ بھیجے۔ مامون یہ خبر سنکر حلوان سے اُٹھا اور ہمدان کے راستہ سے رَے کے علاقہ میں پہنچا۔ اور وہاں سے واسط ہوتا ہوا بصرے کی راہ سے بغداد میں داخل ہو گیا۔

پانچویں صفر ۲۰۳ھ ہجری کو مامون بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اپنے آبائی دار الحکومت میں داخل ہو گیا۔ مامون نے راستہ ہی سے طاہر ذو الیمینین کو بغداد میں بُلا بھیجا تھا۔ اور وہ مصر و شام کی پچاس ہزار جرار فوج ہمراہ لئے بغداد میں پہنچ گیا۔ اُس کی کثرت جمعیت اور شان و شوکت سے سارے بغداد کی زمین دہل گئی۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حمید نے عباسیوں کے معاملات کو مامون کی آمد پر اُٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ مامون نے آتے ہی ان کی ترتیب اور اصلاح کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ مامون اُس وقت اپنے استحفاظ و استحکام سلطنت کی فکروں میں سراپا غرق تھا۔ اور جس طرح اس سے پہلے وہ اپنے تمام کاروبار دوسروں کے اختیار میں چھوڑے ہوئے تھا اُسی طرح وہ فی الحال اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ اور اُس میں دوسروں کی بہت کم مداخلت ہوتی تھی۔ اُسکا یہ طرز عمل اُس وقت سے شروع ہوا تھا جس وقت سے اُس کو حجاز و عراق کی بد امنی کے حالات حسن ابن سہل کے اُس آخری اطلاع نامے سے معلوم ہوئے تھے جسکو اُس نے براہ راست حضور سلطانی میں بھیجا تھا۔ اور اسی بنا پر اُس نے فضل ابن سہل۔ حضرت امام موسیٰ رضا

علیہ السلام اور ہرثمہ کو قتل کرایا تھا۔ اس وقت اس کے دربار میں قدیم امرا میں سے سوائے حمید طوسی اور طاہر ذوالیمینین کے اور کوئی دوسرا باقی نہیں تھا۔ جو لوگ تھے وہ جدید اور تازہ منصب یافتہ۔

بغداد کے موروثی تخت حکومت پر متمکن ہو کر مامون نہایت حزم و احتیاط سے جس کے لئے وہ خاص طور پر مشہور و معروف تھا۔ بنی عباس کی ترتیب۔ اصلاح اور دلجوئی کی تدبیریں کرنے لگا۔ تھا وہ حقیقت میں ظاہرداری اور عیاری کا پتلا۔ اور اپنی تدبیر و ہوشیاری کا تیار مجسمہ۔ اُس نے اپنے ایک ہی ٹکڑے میں بنی عباسیوں کے ایسے قدیم مخالف کی تمام جماعت کو فوراً اپنا مطیع و منقاد بنالیا۔ اور پھر ایسا کہ وہ اس کے آگے سوائے گردن جھکانے کے سر اوپر اُٹھانے کی ذرا بھی جرأت نہ کرسکے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ مامون نے سمجھ لیا تھا کہ بنی عباس کی عام ناراضی کا سبب حضرت امام موسی رضا علیہ السّلام کی ولیعہدی ہے۔ تو آپ کا وجود تو اب باقی ہی نہیں ہے۔ اب جب تک کہ اُن کے ساتھ میں اپنے خلوص و اتحاد کا پھر از سرنو اظہار نہ کرونگا۔ اور اپنے محاسن سلوک کے عمل اُن کے مقابلہ میں اور وسیع نہ کئے جاوینگے۔ اُن کی خاطر خواہ تشفی اور کامل اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اور اُن کے معاملات کبھی اصلاح پذیر نہیں ہوسکتے۔ ان ضرورتوں کو مدنظر رکھکر اُس نے پہلا حکم جو بغداد کے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی نافذ فرمایا وہ فوج شاہی کے علم کی سبز رنگت کی تبدیلی اور اہل افواج کے ملبوسہائے جنگی کا تغیر تھا۔ اُس نے حکم شائع کیا کہ رایت سلطانی کا رنگ اور اہل لشکر کی پوشاک جو سبز ہوا کرتی تھی وہ قدیم دستور کے مطابق پھر سیاہ کردی جاوے۔ اور کوئی دوسرا رنگ اسکے خلاف نہ اختیار کیا جاوے۔ اُس حکم کے نفاذ کے بعد اُس نے فوراً اپنے چھوٹے بھائی ابی اسحاق ابن ہارون کو جو المؤتمن کے نام سے مشہور تھا اپنی ولیعہدی کے لئے نامزد کیا۔

معتصم باللہ کی ولیعہدی

اس مسئلہ کی ترتیب اور اس امر کا اعلان یوں کیا گیا کہ مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اپنی ولایت کا منصب دیکر اور اُسکی جگہ اپنے بھائی ابو اسحاق المؤتمن کو تفویض امارت فرما کر اپنی ظاہری عدالت اور استغناء کا ایسا ثبوت پہنچا دیا کہ بنی عباس کے برگشتہ قلوب پھر اُسکی متابعت اور فرمانبرداری کی طرف رجوع کرنے لگے۔ علم سبز کی جگہ سیاہ کا ہونا۔ سادات کی جگہ پھر بنی عباس کا ولیعہد اور وارث تخت مقرر کیا جانا۔ اُنکی تسخیر قلوب کے سہل ٹکڑے تھے۔

بہرحال مؤتمن کی ولیعہدی کے خاص مسئلہ پر مامون نے بہت بڑے اہتمام اور انتظام کے ساتھ اپنی تمام اراکین دولت۔ امراء سلطنت اور عمائد اور اکابر وار الحکومت کے عام جلسہ میں سب سے اقرار لئے۔ اور اپنی طرف سے بھی اُس کی ولیعہدی کے اقرار اپنے دستخط و مُہر سلطانی سے کامل اور مستحکم کر دئیے۔ ان باتوں نے بنی عباس کو مامون کا پھر اپنا بنالیا۔ قدیم مخالفت اور سابق کی تمام شکایتیں بالکل جاتی رہیں۔ جنکی وجہ سے وہ آج تک ہمیشہ مامون کے خلاف میں کوشش کر رہے تھے۔

یوں تو جوجس کے جی میں آئے وہ کہے۔ مگر ایک مدبّر اور علم تدبیر کا تجربہ کار مامون کے ان تغیّر پسند خیالات کو دیکھکر اتنا ضرور کہیگا کہ مامون کو اپنے مدبّروں پر آپ اعتبار نہیں تھا۔ اس لئے اُسکی تدابیر ملکی میں استقلال اور پائداری بہت کم تھی۔ ابھی چار برس پہلے جو اُس نے انتظام کئے تھے وہ موجودہ انتظام کے بالکل خلاف اور برعکس تھے۔ اُن قدیم احکام اور انتظام کے اصدار اور نفاذ کے وقت اُسکی اصابت رائے سے یہ یقین ہوتا تھا کہ مامون اپنے اختیار کبھی وہ اور تجویز شدہ انتظامات سے کبھی اختلاف نہیں کریگا۔ اور ان معاملات کے کامل استحکام سے پوری امید تھی کہ خلیفۂ عصر پر چاہے جیسا وقت نہ آجاوے مگر وہ اپنے موجودہ انتظامات میں کوئی تغیّر اور تبدل نہیں کریگا مگر افسوس ابھی پورے تین برس بھی نہ گزرے تھے کہ وہ سارے انتظام درہم وبرہم کر دئے گئے۔ اور وہ تمام دفتر گاؤ خورد ہو گئے۔ اور آخرکار مامون نے عاجز آکر اپنے حفظ سلطنت کے لئے وہی قدیم طریقہ اور سابق دستور قائم کئے۔ جو اس سے پہلے۔ سابق سلاطین عباسی نے اپنے اپنے ایام حکومت میں جاری کئے تھے۔ اس لئے عموماً یہ کہا جانا اس طریقہ سے صحیح ہو سکتا ہے کہ مامون نے اپنی سلطنت کو ایک جدید طریقہ پر چلانے کی کوشش کی تھی۔ اور اس امر خاص کا تمام سیاسی دنیا میں اپنے آپ کو موجد تسلیم کرانے کی کوشش کی تھی۔ مگر نہ چل سکی۔ اس لئے اُس نے عاجز آکر اپنے خاص امور کے رفاہ و اصلاح کی غرض سے اپنے جدید طرز عمل کو بالکلیہ ترک کرکے وہی پُرانا دستور اور قدیم طریقہ اختیار کیا۔ اس سے بڑھکر اُس کی رائے کی کمزوری اور تدبیر کا ضعف اور کیا ہوگا۔

ہم اُس کے ضعف تدبیر کے ساتھ ہی اُس کے ضعف ایمان کی قدیم بحث کو بھی بار دیگر یاد دلاتے ہیں۔ جسکو ہم اُسکے شیعہ ہونے کی بحث میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ مؤتمن کی ولیعہدی کے انعقاد سے اُسکا ضعف اعتقاد بھی کامل طور پر ثابت ہو گیا۔

طبری کے اسناد سے تحفۂ رضویہ میں بیان ہو چکا ہے کہ مامون نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے ساتھ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ولیعہد

ہونے کا بھی اقرار کیا تھا۔ تو اس بنا پر فی الحال اُسکو ابو اسحاق مؤتمن کے ولیعہد بنانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اگر مامون اپنی شرائط کا سچا اور معاہد کا پکا تھا جو ایک فرمانروا کے خاص اوصاف اور مخصوص فرائض ہونے چاہئیں۔ تو اُسکا پہلا فرض تھا کہ وہ اپنے قدیم معاہد پر ضرور قائم اور مستقل رہتا۔ اور اپنی شرط کے مطابق حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے انتقال فرمانے کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو اُن کی جگہ پر حسب الاقرار معین کرتا۔ اور پھر کسی دوسری تجویز کو عمل میں نہ لاتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اصل میں اُس کے تمام طرز عمل وقتی حیلے تھے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اُس نے معمولی طور پر جیسا وقت دیکھا ویسا کام کیا۔ کہاں کا اتفاق اور کیسا عہد و میثاق۔ پھر ایسی صورت میں کون ایسا شخص ہوگا جو اُس کے طرز عمل کو راستی۔ خلوص اور عقیدت پر مبنی بتلائیگا۔ اور اُس کو کامل الایمان اور راسخ العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کریگا۔ شیعہ کامل الایمان اور صالح الاعمال ہونا تو درکنار ہم مامون کو معمولی انسانوں کی طرح راستباز اور صادق الوعدہ ثابت کرنا بھی نہایت دشوار سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مامون نے اس وقت ہر طرح سے مجبور ہو کر اپنے بزرگان سلف کے دستور کو اختیار کیا۔ اور عباسیوں کی رضامندی اور اطمینان کے باعث سے اپنی سلطنت اور شاہی کے لئے وہی قدیم شعار اور معیار اختیار کئے۔ جو ہمیشہ سے دولت عباسیہ میں جاری اور ساقی تھے۔ پھر کیا تھا ابو اسحٰق مؤتمن جو اُس کے بعد المعتصم کے لقب سے خلیفۂ وقت تسلیم کیا گیا۔ ولیعہد قرار دیا گیا۔ اور سبز رنگ کی جگہ سیاہ رنگ جو قدیم سے سلطنت عباسیہ کا خاص معرکہ قرار پاچکا تھا بار دیگر اختیار کیا گیا۔

ابراہیم کی زندہ گرفتاری

جب مامون کو بغداد کے انتظام سے پوری فراغت اور کامل اطمینان ہو گیا تو اُس نے ابراہیم ابن مہدی کے زندہ گرفتار کرنے کی فکر کی۔ ابراہیم تو جیسا چلتا پرزا اور پھرتیلا تھا۔ وہ ساری دنیا کو معلوم تھا۔ وہ مامون کے آنے سے پہلے عورتوں کے لباس میں روپوش ہو گیا اور اُسی حالت میں مدت تک ادھر اُدھر پوشیدہ رہا۔ مامون نے متعدد جاسوس مختلف مقاموں پر اُسکی گرفتاری کے لئے مقرر کر دئے۔ اور وہ اُس کو بعد از تلاش بسیار اُسی ہیئت اور حیثیت میں گرفتار کر لائے۔ مامون نے اُس وقت ابراہیم کے لئے صرف یہی سزا تجویز کی کہ اُس کو کوتوال شہر کے حوالے کر کے یہ حکم عام دیا کہ ہر شخص کو توالی میں جاکر اُسی ہیئت اور صورت

میں اُن سے ملاقات کرے۔ تمام شہر کے لوگ ابراہیم کے تماشہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اور کوتوالی کی عمارت میں ایک میلہ لگ گیا۔ جو اُسکو اس شکل و صورت میں دیکھتا تھا ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا۔ ابراہیم کی خاص خجالت و ندامت اور رسوائی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔ جب چار روز گزر گئے تو مامون نے اپنے چچا کے تمام قصوروں کو معاف کرکے تبدیل لباس کا حکم دیا۔ اور عباسیوں کے خوف کی وجہ سے اُس کی آیندہ سیاست پر جرأت نہ کرسکا۔ بلکہ بخلاف اس کے اُس کو اپنے خلعت خاص سے سرفراز فرما کر پھر اپنا مصاحب خاص بنالیا۔ انہیں واقعات کی خاص رعایت سے ابراہیم کی کنیت ابن شکلہ آجتک تمام تاریخوں میں مشہور و مسطور ہے۔

بابک خارجی کے معاملات

سنہ ۲۰۵ہجری میں بابک کے معاملات پیش ہوئے۔ بابک اصل میں ایک نئے مذہب کا بانی اور جدید طریق کا موجد تھا۔ اور حقیقت میں وہ ملحد تھا۔ اور سخت ملحد۔ چونکہ ہمکو اُسکے عقائد کے دریافت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے ہم اُسکی تفصیل کو غیرضروری سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ اُس کے مفسدوں نے علاقہ آذربائیجان سے لیکر بلقان تک رفتہ رفتہ ایسی قوت پکڑی کہ مامون نے جو لشکر اُس کے مقابلہ میں بھیجا۔ وہ ناکامیاب واپس ہوا۔ اور اُس کے اکثر اعلےٰ اور تجربہ کار افسر معرکۂ جنگ میں ضایع ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۲۱۲ہجری میں محمد ابن حمید طوسی اس کے مدافعہ کے لئے بھیجا گیا۔ اور وہ اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ وہیں قتل کیا گیا۔ محمد کے بعد مامون نے طاہر ابن حسین ذوالیمینین کے جیسے تجربہ کار سپہ سالار فوج کو اُس کی مہم پر تعینات کیا۔ طاہر اُس کے مقابلہ پر پہنچا مگر وہ اپنے بھائی کے انتقال کی خبر پاکر اپنے خانگی معاملات کی ترتیب اور درستی کی ضرورت سے واپس آیا۔ اس کی واپسی سے بابک اور قوی دل ہوگیا۔ اور اُس کے تمام امور روز بروز قوت پکڑتے گئے۔ ابھی تک ان معاملات کا کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ مصر سے عبدوس نامی شخص کی بغاوت کی خبر آئی۔ اور مامون چاروں طرف سے سخت انتشار و اضطرار کی حالتوں میں گرفتار ہوگیا۔

مامون اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ہم مامون کے ملکی حالات اور اُس کے انتظامی معاملات آگے بیان کرینگے۔ انسے

پہلے ہم وہ واقعات اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرتے ہیں۔ جن سے مامون اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے خاص معاملات معلوم ہوتے ہیں۔

ہم اپنے اوپر سلسلۂ بیان میں بتفصیل تمام بیان کرتے آئے ہیں کہ مامون حُسن تدبیر کا پتلا اور عیاری کا تازہ کرشمہ تھا۔ اُسنے عباسیوں کی ناراضی کو اپنے استحکام خلافت کے لئے باعث مضرت سمجھا۔ پھر اُسکی تسکین و تشفی کے لئے اُس نے بغداد میں آکر جو جو سامان کئے اور حتے الامکان اُن کو اپنی طرف سے راضی اور خوشنود کیا۔ وہ اوپر بیان ہو چکا۔

یہ تو عباسیوں کے معاملات تھے۔ سادات کی ہمت اور ذاتی دلیری سے بھی مامون ابھی تک ویسے ہی خائف اور متردد تھا۔ جیسے عباسیوں کی اندرونی سازش اور خفیہ فتنہ اندازیوں سے۔ اس لئے اُسکا اصلی مقصود یہ تھا کہ جسطرح عباسیوں کے امور بمصالحت مرتب کرلئے گئے اُسی طرح سادات کے معاملات بھی بہ مساہلت درست کرلئے جاویں۔ یہ تجویز اُس کے دل میں جاگزین اور یہ خیال اُسکے ذہن نشین تھا کہ اسی اثنار میں مامون نے ایک دن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد کے چند لڑکوں کے ساتھ ایک گلی میں کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اُس وقت سن آپکا نو برس یا اس سے کچھ زائد کا ہوگا۔ مامون اپنے شاہی جلوس کے ساتھ اُس وقت شکار کھیلنے کے قصد سے نکلا تھا۔ امیر کی سواری کو دیکھکر سب لڑکے تو بھاگ گئے۔ صرف جناب امام محمد تقی علیہ السلام بالنفس النفیس کھڑے رہے۔ ہم اس واقعہ کی پوری کیفیت صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ووقف محمّد او عمرہ تسع سنین فالقی محبتہ فی قلبہ فقال لہ یا غلام ما منعک من الانصراف فقال لہ یا امیر لم یکن بالطّریق ضیق فاوسعہ لک ولیس الیّ جرم فاخشی وانظن بلک حسن ان تضرّ من لا ذنب لہ فاعجبہ کلامہ وحسن صورتہ فقال ما اسمک واسم ابیک فقال محمّد ابن علی الرّضا علیہما السّلام فترحّم علیہ وعلی ابیہ وساق جوادہ وکان معہ بزاۃ للصّید فلمّا بعد عن العمران وارسل بازاً علی درّاجۃ فغاب عنہ ثم عاد وفی منقارہ سمکۃ وتعجّب من ذلک غایۃ التعجب و رجع فرای الصبیان علی حالھم ومحمّد ابن علی علیہما السلام فدنا منہ وقال یا محمّد علیہ السلام ما فی یدی فقال یا امیر ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغارا یصیدھا بزاۃ الملوک والخلفاء فیختبر بھا سلالۃ اھل المصطفیٰ علیہم السّلام فقال لہ انت

ابن الرّضا علیہ السلام۔
یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کھڑے رہگئے۔ اُس وقت آپ کی عمر نو برس کی تھی۔ مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو دیکھا تو اُس کے دل میں امام علیہ السلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ اور وہ آپ سے پوچھنے لگا کہ اے لڑکے تم کیوں نہ بھاگ گئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے امیر۔ رستہ تنگ نہیں تھا کہ میں آپ کے خوف سے بھاگ جاتا۔ اور میرا گمان بھی آپ کی نسبت ٹھیک تھا کہ بغیر کسی قصور کے آپ کسی کو نہ بھگا ئینگے۔ مامون کو آپ کا یہ کلام نہایت پسند آیا۔ اور آپ کی صورت بھی اُسکو بھلی معلوم ہوئی۔ پھر اُسنے پوچھا تمہارا اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ محمد ابن علی الرّضا علیہم السلام۔ مامون کو یہ سُنکر آپ پر اور آپ کے والد بزرگوار پر بہت ترس آیا۔ اور وہاں سے اپنا گھوڑا بڑھایا۔ مامون اُس وقت شکار کھیلنے نکلا تھا۔ اور اُس کے ہمراہ چند باز تھے۔ جب آبادی سے دور نکل گیا تو باز کو ایک تیتر پر چھوڑا۔ وہ غائب ہوگیا۔ پھر لوٹ آیا۔ تو اُس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی۔ ماموں یہ دیکھکر سخت متعجب ہوا۔ اور وہاں سے واپس ہوا تو پھر لڑکے ویسے ہی کھیل رہے تھے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے سوا سب کے سب بھاگ گئے۔ مامون نے قریب جاکر آپ سے پوچھا کہ بتلائیے تو میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ آپ نے بکمال فصاحت و بلاغت ارشاد فرمایا کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے اپنے دریائے قدرت میں ننھی ننھی مچھلیاں پیدا کی ہیں جنکو بادشاہوں کے باز شکار کرتے ہیں اور اہلبیت مصطفےٰ علیہم السلام کے فرزند اُن کی خبر دیا کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ہمارا یہ بیان کہ منصب امامت نہ وقت اور زمانہ کا محتاج ہے اور نہ سن و سال کا۔ اُسکا اعتبار عمر کی کمی و بیشی پر نہیں ہوتا۔ پورے طور سے تمام دنیا کے نزدیک ثابت ہو گیا۔

کیونکہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کا سن ہرگز نو برس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ ممکن تھا کہ اپنے سن کے اعتبار سے کھیلنے والی لڑکوں کی جماعت کے ساتھ آپ بھی کھیلنے لگتے۔ تو اُس وقت معمول اور عادات پر اعتبار کرکے آپ کا اُس وقت کھیلنا کبھی قابل اعتراض اور لائق استعجاب نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ واقعات تو بتلا رہے ہیں کہ کھیلنے والی

لڑکوں کی جماعت سے آپ بالکل علیحدہ کھڑے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ آپ کو اُنکے معاملات سے کوئی واسطہ اور کوئی سروکار باقی نہیں ہے۔ اور آپ باوجود کم سنی کے اپنے اوقات عزیز کو معمولی بچوں کی طرح بیکار لہو ولعب میں صرف کرنا پسند نہیں فرماتے۔ جن لوگوں نے خاصان خدا اور برگزیدگان حضرت رب العلا کے مقدس حالات اور واقعات کو دیکھا ہے وہ پورے طور سے جانتے ہیں کہ اس مبارک طبقہ میں ہر نفس قدسی برکت اپنے طرز عمل میں بچپن سے لیکر ضعیفی اور کہولیت کے آخر زمانہ تک ایک ہی طرح اور ایک ہی وضع کا پایا جاتا ہے۔ اُن کی معرفت کے کمال۔ احتیاط اور مآل اندیشی کے محاسن اخلاق۔ اُن کی وسیع تہذیب۔ اور اُنکی اعلےٰ شائستگی کم سنی کے زمانہ میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی جوانی اور بڑھاپے میں۔ غرضکہ اُن کی حقیقت اور معرفت کے انکشاف یوم ولادت سے لیکر وقت وفات تک برابر اور یکساں ہوتے ہیں۔ جس طرح جناب یحییٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے اپنے ایک ہم سن اور ہمسایہ بچے کو جس نے اُنہیں کھیلنے کے لئے بُلایا تھا جواب دیا کہ "ہم تمہارے ساتھ نہ جائینگے کیونکہ ہم دنیا میں کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں" بالکل اسی طرح جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی اُس وقت مامون کو راستہ سے مثل اور لڑکوں کے نہ ہٹ جانے کی معقول اور کافی وجہ دکھلا کر بتلا دیا کہ خاصان الٰہی کے علوم حقیقت اور کمال معرفت میں اُن کی کم سنی اور قلیل العمری کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں آتا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ مامون کے ظاہری سلوک

بہر حال جس طرح صواعق محرقہ کی تحریر سے اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ مامون جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے ایسے کافی اور کامل جواب سے کمال متاثر ہو کر اور یہ معلوم کرکے کہ آپ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے فرزند دلبند ہیں۔ اور بھی زیادہ آپ کا شیفتہ اور فریفتہ ہو گیا۔ اور اُسی وقت آپ کو اپنے ہمراہ قصر الامارۃ میں لیتا گیا۔ ایک تو آپ کی جامعیت استعداد اور قابلیت کی بیمثال اور عدیم الزوال کمال کو دیکھکر آپکی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کرنے لگا۔ اور دوسرے اپنے اُن مخالفانہ معاملات کی ظاہری تلافی اور اپنی اُن عیارانہ حرکات کے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے جنہیں وہ آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ پیش کر چکا تھا۔ آپ کی سب لوگوں سے زیادہ قدر ومنزلت

کرنے لگا۔

بہرحال۔ جو وجہ تسلیم کیجائے۔ اس میں کلام نہیں کہ اسی وقت سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مامون کے ساتھ بغداد کے قصر شاہی میں رہنا ہوا۔ مامون نے اپنی ظاہرداری کے اصول پر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہر روز آپ کو دربارشاہی میں بُلوا کر اپنے قریب بٹھلاتا تھا۔ آپ کے ارشاد ہدایت بنیاد سُنکر مستفیض و مستفید ہوتا۔ مامون کی صحبت ہمیشہ علماء اور فضلاء سے بھری رہتی تھی۔ اور اُس کے نورتن میں علم و حکمت کی بڑی بڑی مشہور و معروف جاننے والے موجود رہتے تھے۔ مامون کو اکبر کی طرح علما کے مختلف مباحث اور دلائل سننے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ نہایت دلچسپی سے ان مباحث کو سُنا کرتا تھا۔ اور اس طرح اُس کو ان تمام علما میں ایک دوسرے کی جامعیت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ ہوجایا کرتا تھا۔ اکبر اور مامون کے ان مباحث علمیہ کے شوق میں فرق تھا تو اس قدر کہ اکبر کو صرف ان کا شوق ہی شوق تھا۔ مگر اُس میں کوئی ذاتی جامعیت اور علمیت موجود نہیں تھی۔ بخلاف اسکے مامون تمام معقولات و منقولات سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس لئے اکثر اوقات علماء کے متنازع فیہ مسائل کا فیصلہ اپنی علمی قوت اور تحقیقات سے کیا کرتا تھا۔ جس سے اُس کی استعداد اور جامعیت کی پوری کیفیت معلوم ہوتی تھی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے تشریف فرما ہونے سے ان جلسوں کی رونق اور بھی زیادہ ہوگئی۔ مامون معمولی طور سے روز اپنی صحبت کے موجودہ علما میں سے ایک نہ ایک کو آپ کی خدمت میں مختلف مسائل علمیہ پوچھنے کے لئے امادہ اور تیار کر دیتا تھا۔ اور وہ حکم شاہی پاکر آپ کی خدمت میں استفادہ حاصل کرنے کی غرض سے یا آپ کا امتحان لینے کی ضرورت سے اپنا سوال عرض کرتا تھا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اُن کے سوال کا جواب دیتے تھے۔ اور مامون اور اُس کی صحبت کے تمام حاضرین آپ کے اُن جوابات کو سن سنکر مستفیض ہوا کرتے تھے۔ ان مناظرات میں سے ہم صرف اُس ایک مناظرے کا حال ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔ جو آپ کو سواد اعظم کے بہت بڑے جید عالم قاضی ابن یحییٰ اکثم سے پیش آیا۔ مگر ہم اس مناظرے کے اصل حالات کے بیان کرنے سے پہلے اس کے واقع ہونے کے اصلی اسباب

لکھے دیتے ہیں۔ تب ہم اسکی پوری کیفیت درج کرینگے۔ انشاءاللہ المستعان

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات میں مامون سے عباسیوں کی مخالفت

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مامون نے جن ترکیبوں سے عباسیوں کو اپنی خلافت پر راضی کر لیا تھا وہ بھی اُس کے حسن تدبیر کے کافی ثبوت ہیں۔ ایک تو عباسی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اُس کے پہلو میں بیٹھا دیکھکر یوہیں جلے مر رہے تھے۔ اسپر قیامت یہ ہوئی کہ چند روز کے بعد مامون نے اپنا یہ قصد ظاہر کیا کہ اپنی چھوٹی لڑکی ام الفضل کا عقد امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا جاوے۔ یہ سُننا تھا کہ عباسیوں میں ہلچل پڑ گئی۔ اُن کا ہر شخص فرداً فرداً حسد و نفسانیت کی آگ میں جل بھُن کر خاک ہونے لگا۔ آخر جہیں تاب ضبط باقی نہ رہی۔ تو وہ سب کے سب مامون کے پاس بگڑتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ پھر ہمارے مقابل میں ترجیح بنی فاطمہؑ کے معاملات پیش کرنے لگے۔ جو خدا خدا کر کے ابھی ابھی ہمارے آپ کے درمیان طے ہو چکے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ سادات کے پاس کیا رکھا ہے جو خلیفہ عصر اُن کے خلوص عقیدت کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے سارے خاندان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کو خاک کئے دیتا ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ آپ نے ام الفضل کی تزویج کی تجویز امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کی ہے۔ یہ پیوند اور یہ قرابت ہماری سب کی رائے کے محض خلاف ہے۔ ام حبیبہ کے عقد سے کیا فائدہ اُٹھا ہے جو ام الفضل کی تزویج سے آیندہ متمتع ہونے کی امید کی جاوے۔ خیر۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اگر اور کچھ نہیں تو باعتبار سن و سال کے قابل تعظیم تو ضرور ہو چکے تھے۔ مگر یہ بچہ تو ابھی محض بچہ ہے۔ پھر اس کی تعظیم و تکریم بڑے بڑے علماء سے کرانا۔ اور تمام مقربان سلطانی سے اُس کو اعلےٰ مراتب سلطانی عطا فرمانا عقل کے خلاف اور دور از انصاف ہے۔

مامون نے عباسیوں کی موجودہ تعریض کو حرف بحرف سن تو لیا۔ مگر عباسیوں میں اتنا مادہ اور ایسا جوہر کہاں جو اُس کے حسن تدبیر کے انتہائی مقاصد اور مطالب تک پہنچتے۔ اور جن مقاصد اور فوائد کے لئے اُس نے یہ اصول اختیار کئے تھے اُس کو سمجھتے چنانچہ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں۔

واخذ معه واحسن اليه وبالغ فى اكرامه ولم يزل مشغقا به لما ظهر له بعد ذلك من فضله وعلمه وكمال عقله وظهور برهانه مع صغر سنه وعزم على

تزویج بنته ام الفضل وصمّم علیٰ ذٰلك فمنعه العبّاسیّون من ذٰلك خوفا من ان یعهد الیه کما عهد الی ابیه فذکّر لهم انّما اختاره لتمیزه علیٰ کافة اهل الفضل علما ومعرفتا وحلما مع صغر سنّه فتنازعوا فی اتّصاف محمّد ابن علےؑ علیهما السّلام۔

مامون پھر آپ کو اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور بہت مبالغہ کرتا گیا۔ آخر اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی چھوٹی بیٹی ام الفضل کے نکاح کرنے کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع آئے کہ ان کے باپ کی طرح کہیں یہ بھی ولیعہد نہ بنائے جائیں۔ مامون نے عباسیوں سے کہا کہ میں نے باوجود اس صغرسنی کے تمام اہل فضل پر باعتبار علم۔ فضل اور حلم کے۔ آپ کو اس امر خاص کے لئے منتخب کیا ہے۔ تاہم بنی عباس آپ کے ان اوصاف کی نسبت تعریض کرتے چلے ہی گئے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام اور قاضی ابن اکثم سے مناظرہ

مامون اپنے ارادہ کا پکا اور اس امر خاص میں اپنی زبان کا سچا تھا۔ عام اس سے کہ اُس کا یہ ارادہ اور وعدہ حق ہو یا ناحق اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ فی الحال مامون کی تجویز و تدبیر میں کسی غیر کی مداخلت نہیں تھی۔ اُس کے سترہ سال کے مختلف طرز عمل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں جس طرح فضل ابن سہل وغیرہ امرائے مملکت کی صلاح و مشورہ کا پابند اور مجبور تھا۔ اُسی طرح اپنی سلطنت کے آخر زمانہ میں بغداد کی حکمرانی کے وقت سے لیکر آخر وقت تک وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہو گیا۔ اور پھر ایسا کہ وزیر سے لیکر معمولی امیر تک کوئی متنفس اُس کی تدبیر و تجویز سے اختلاف و انحراف کی ذرا بھی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

اس لئے مامون نے بنی عباس کے موجودہ اختلاف رائے کی کوئی پروا نہیں کی۔ بلکہ اُن سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم اپنے اطمینان کے لئے موجودہ علما و فضلائے زمانہ کی جماعت میں اُن (حضرت امام محمد تقی علیہ السلام) کی جامعیت اور کمال کا امتحان لے لو۔ اور اُن کے مایۂ استعداد اور پایۂ اجتہاد کی کامل طور پر آزمائش کر لو۔ عباسیوں نے مامون کی اس رائے کو مان لیا۔ اور بغداد کے مشہور و معروف قاضی یحییٰ ابن اکثم کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے امتحان لینے کے لئے منتخب کیا۔

اسلامی تاریخوں میں عام طور سے اس مناظرے کی بہت بڑی شہرت ہے۔ اور چھوٹے بڑے تمام مؤرخین اور مؤلفین نے اس کی علیحدہ علیحدہ کیفیت پوری تفصیل کے ساتھ درج کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجلس اتنے بڑے وسیع پیمانے پر قائم کی گئی تھی کہ اراکین دولت اور معززین مملکت کے علاوہ نو سو کرسیاں صرف علماء و فضلاء کی جماعت سے بھری تھیں۔ جن پر ایسے ایسے صاحبان سواد اور اہل استعداد علماء بیٹھے ہوئے تھے جو اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب کے مایۂ ناز اور باعث اعزاز تسلیم کئے جاتے تھے۔

بہرحال۔ اس میں شک نہیں۔ امام منصوب من اللہ کے سوا چاہے دنیا کا کوئی کیسا ہی عالم زبردست کیوں نہ ہوتا۔ مگر وہ مامون کے اس سلطانی جلسہ کی سطوت اور جلالت دیکھکر ضرور دب جاتا۔ اور حریف کے سوالوں کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کرتا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہ ہوتی۔ بلکہ اکثر اوقات تو یہ بات بشریت کی ضروریات سے شمار کی جاتی ہے۔ مگر ؎

کتاب بحر ترا آب بحر کافی نیست   کہ تر کنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے روحانی محامد و اوصاف اور حقانی مراتب و مدارج کو اس اتنے بڑے جلسہ کی کیا پروا تھی۔ آپ کے کمال ذاتی پر نہ سطوت سلطانی حاوی ہو سکتی تھی۔ نہ رعب و داب خسروانی۔ ہم اس عظیم الشان مناظرے کی کامل تفصیل بھی صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

ثم تواعدوا علی ان یرسلوا الیہ من یجتزہ فارسلوا الیہ یحییٰ ابن اکثم وخواص الدولۃ فامر المامون بفرش حسن لمحمد علیہ السلام فجلس علیہ فسالہ یحییٰ مسائل فاجابہ باحسن جواب فقال لہ الخلیفہ احسنت یا ابا جعفر علیہ السلام فان اردت ان تسئال یحییٰ ولو مسئلۃ واحدۃ فقال لہ ما تقول ثم قال رجل نظر الی امراءۃ اول النہار حراما ثم حلت لہ عند ارتفاع الشمس ثم حرمت علیہ عند الظہر ثم حلت لہ العصر ثم حرمت علیہ المغرب ثم حلت لہ العشاء ثم حرمت علیہ نصف اللیل ثم حلت لہ الفجر فقال یحییٰ لا ادری فقال محمد ابن علی علیہما السلام امۃ نظرھا اجنبی وھو حرام ثم اشتراھا عند ارتفاع النہار واعتقہا لظہر وتزوجہا العصر وظاہر منہا المغرب وکفر

العشا وطلقها رجعیا نصف اللیل وراجعها الفجر فعند ذلک قال المامون للعباسیین قد عرفتم ما تنکرون۔

ان لوگوں نے مقرر کیا کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائینگے جو ان امور میں انکا امتحان کرے۔ اس بات کے لئے اُن لوگوں نے اُس زمانہ کے زبردست عالم اور بے نظیر مناظر یحیےٰ ابن اکثم کو پیش کیا۔ سب اراکین دولت اس وقت جمع تھے۔ خلیفہ نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے ایک پر تکلف مسند بچھانے کا حکم دیا۔ جب آپ نے اُس پر جلوس فرمایا۔ یحیےٰ نے آپ سے چند مسائل پوچھے۔ آپ نے اُن کے دلائل واضح سے جواب دئے۔ خلیفہ نے کہا یا اباجعفر علیہ السلام آپ نے بہت اچھی طرح ان کے مسائل کا جواب دیا ہے۔ مگر آپ بھی یحیےٰ سے ضرور سوال کیجئے۔ آپ نے یحیےٰ سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو کہ صبح کو ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا اور وہ اُس وقت اُس پر حرام تھی۔ پھر آفتاب کے طلوع ہوتے وقت وہ اسپر حلال ہوگئی۔ پھر ظہر کے وقت اُس پر حرام ہوگئی۔ اور پھر عصر کے وقت اُس پر حلال ہوگئی۔ پھر مغرب کے وقت اُسپر حرام ہوگئی۔ پھر عشا کے وقت اُسپر حلال ہوگئی۔ پھر آدھی رات گئے حرام ہوگئی۔ اور پھر صبح کو حلال ہوگئی۔ یحیےٰ نے کہا کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ صبح کو ایک مرد اجنبی نے ایک کنیز کی طرف دیکھا اور وہ اُس وقت اُس پر حرام تھی۔ اور آفتاب کے طلوع کے وقت اُس نے اُس کو خرید لیا۔ وہ اُسپر حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اُسی اُس کو آزاد کردیا۔ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اُس سے نکاح کرلیا حلال ہوگئی مغرب کے وقت اُس سے ظہار[ع] کیا۔ تا دائے کفارہ حرام ہوگئی۔ پھر عشا کے وقت کفارہ ظہار ادا کردیا۔ حلال ہوگئی۔ پھر آدھی رات کو اُسے طلاق رجعی دی۔ حرام ہوگئی۔ صبح کو پھر اُس سے رجوع کرلیا۔ حلال ہوگئی۔ یہ سنکر مامون نے عباسیوں سے کہا کہ جس بات پر تم جھگڑتے تھے۔ اب تو تم نے اُسے بخوبی دیکھ لیا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ام الفضل کا عقد

بہرحال۔ مامون کے اس عظیم الشان جلسہ کی یہ روئداد تھی۔ جو صواعق محرقہ کی معتبر اور مستند

[ع] ظہار۔ بالکسر گفتن مرد زوجہ را کہ تو برمن ہمچو پشت مادر منی۔ وازیں گفتن زن براو حرام می گردد تا کفارہ ندہد حلال نمی باشد۔ منتخب ۱۲

عبارت سے کامل تفصیل کے ساتھ اوپر لکھی گئی۔ مگر علامہ ابن حجر کے ایسے کامل محقق نے اس مناظرے کی تمام کیفیت تو درج کر دی۔ مگر نہیں معلوم قاضی صاحب کے اُس مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جو اُنہوں نے اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے امتحان لینے کی غرض سے پوچھا تھا۔

جہاں تک ہم علامۂ موصوف کی اس عمداً فروگذاشت کی نسبت غور کرتے ہیں۔ اُن کے اس تجاہل عارفانہ کی خاصکر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ علامۂ موصوف کو قاضی صاحب کی مشہور و معروف استعداد و جامعیت کے سامنے اُن کے مسئلہ اور اُن کی شکست کا پورا حال لکھتے ہوئے اور آخر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے جواب کافی پاکر خفیف۔ نادم اور پشیمان ہونے کا مفصل ذکر بیان کرتے ہوئے ضرور ندامت آئی۔ اس لئے اس مسئلہ کو جو ایک اتنے بڑے زبردست عالم کی شہرت۔ جامعیت اور قابلیت کے زوال کا باعث ثابت ہوتا ہو۔ پوری تفصیل کے ساتھ لکھدینا گوارا نہ فرما سکے۔ اور اپنی کتاب میں صرف اتنا لکھکر ٹال گئے کہ یحییٰ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے چند مسائل پوچھے۔ آپ نے بدلائل واضح اُن کے جواب دئے اور بس۔ مگر ہم اپنی کتاب میں قاضی صاحب کے سوالوں کو چھپانا کسی طرح پسند نہیں کرتے۔ ہم اُن کے مسائل کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اور پھر اُس کے جواب بھی جو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کیطرف سے دئے گئے اُسکو بھی مندرج کرتے ہیں۔

الحاصل روز معین کو سب اراکین دولت اور اعیان مملکت اور علماء و فضلائے دار الخلافت کی کثیر جماعت مامون کے دربار شاہی میں جمع ہوئی۔ مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بلاکر اپنے پہلو میں مسند شاہی پر بٹھلایا۔ اور آپ کے پہلو میں دونوں طرف دو تکیے رکھوا دئے قاضی صاحب بھی اپنے مقام پر موجود تھے۔ مامون سے پوچھنے لگے کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان صاحبزادے سے چند مسائل پوچھوں۔ مامون نے کہا کہ آپ کی تہذیب کا تو یہی مقتضی ہے کہ دریافت مسائل کے لئے اُنہیں سے اجازت لی جاوے۔ جن سے اُن مسائل کا استفسار مقصود ہے۔ یہ سنکر قاضی صاحب جناب امام محمد تقی علیہ السلام سے مخاطب ہوئے اور دریافت مسائل کے لئے اجازت چاہی۔ آپ نے بسم اللہ کہکر بکمال کشادہ پیشانی قاضی صاحب کو اجازت دی۔

قاضی صاحب نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے جو حالت احرام میں تھا شکار کیا۔ اُسکا کفّارہ شرع میں کیا ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے قاضی صاحب کا یہ سوال سُنکر پہلے تو تبسم زیر لب فرمایا، پھر ارشاد کیا کہ اے یحییٰ تم نے یہ سوال تو بالکل مجمل اور مہمل طور پر کیا ہے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اُس محرم نے کہاں شکار کیا۔ حِل میں یا حرم میں۔ وہ مُحرِم عالم تھا یا جاہل مسئلہ۔ اُس نے عمداً شکار کیا تھا یا سہواً۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام۔ بالغ تھا یا نابالغ۔ اُس نے یہ پہلی پہل شکار کیا تھا یا اس سے قبل بھی کئی بار شکار کر چکا تھا۔ وہ صید پرند تھا یا وحوش۔ وہ جانور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ مُحرِم اپنے فعل پر مُصر تھا یا نادم۔ اُس نے شب کے وقت شکار کیا تھا یا دن کو۔ وہ عُمرے کا احرام باندھے تھا یا حج کا؟ اس ذرا سے مسئلہ کی اتنی مختلف صورتیں ہیں۔ اب میں تمہارے موجودہ سوال کو کس صورت میں شمار کروں۔

یہ سُننا تھا کہ قاضی صاحب سناٹے میں آ گئے۔ چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ گھڑوں پسینہ بدن سے چل گیا۔ خموشی اور سکتے کے عالم میں نقش بدیوار بنے بیٹھے رہے۔ ان کے موجودہ سکوت کی موجودہ حالت دیکھکر تمام حاضرین جلسہ کو ان کے مبلغ علم کا کافی اندازہ معلوم ہو گیا۔ آخر کار مامون سے نہ رہا گیا۔ اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میری جان آپ پر فدا ہو۔ اب آپ ہی اپنی زبان صداقت ترجمان سے اس مسئلہ کے مختلف احکام کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں۔

یہ سنکر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مُحرِم جس وقت حِل میں شکار کرے اور وہ صید طیور میں سے ہو اور بڑا بھی ہو تو اُسکا کفارہ ایک گوسفند ہے۔ اور اگر اسی قسم کا صید حرم میں کیا ہے تو اُسکا کفارہ دو گوسفند مقرر ہے۔ اور اگر وحوش میں سے کسی بچے کو حِل میں شکار کیا ہے تو اُس کے عوض میں ایک دنبہ کا بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارے میں دینا ہوگا اور اگر وہ صید ہرن ہے تو ایک بکری اُس کے معاوضہ میں دینی پڑیگی۔ اور یہ تمام کفارے جانوران وحشی کے متعلق اُس وقت دینے ہونگے جب ان جانوروں کا شکار حِل میں کیا ہوگا۔ اور اگر حرم میں انکا شکار کیا ہوگا یوہی کفارے دو چند ہو جائیں گے۔ اور جن جانوروں کو کفارے میں دیگا اُنہیں خود خانہ کعبہ تک پہنچانا بھی ہوگا۔ اگر اس شخص نے احرام حج کا باندھا ہے تو ان جانوروں کو منے میں اور اگر عمرے کا احرام باندھا ہے تو مکہ میں قربانی کرنا ہوگا۔ اور ان

کفاروں میں عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں۔ عمداً صید کرنے میں گنہگار ہے۔ اور حالت سہو میں اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ مرد آزاد کے لئے کفارہ خود اُس کی ذات پر ہے اور غلام کا کفارہ اُسکے مالک پر واجب الادا ہے۔ طفل صغیر پر کوئی کفارہ نہیں۔ اور بالغ پر کفارہ واجب ہے۔ اور جو شخص اپنے صید کرنے پر نادم ہو تو اُس سے عذاب آخرت معاف ہو جائیگا۔ اور اگر اپنے فعل پر مصر ہے تو اُسپر عذاب آخرت کا بھی اضافہ کیا جاویگا۔

آپ کا یہ کلام ہدایت التیام سنکر حاضرین مجلس پر ایک عام محویت کا عالم طاری ہو گیا اور مامون تو اپنی غایت درجہ کی فریفتگی اور شیفتگی کے موجودہ عالم میں از خود رفتہ ہو گیا۔ ہر طرف سے صد تحسین و ہزار آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ صلوات کے پُرزور نعرے قائمہ عرش تک ٹکڑانے لگے۔ مامون کے اُس عظیم الشان جلسہ میں کوئی متنفس ایسا نہیں تھا جو وجد اور محویت کے عالم میں سراپا غرق نہو۔ آخر کار مامون نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا دست حق پرست تھامکر کئی بار آیۂ وافی ہدایہ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کی تکرار کی۔ یعنی خدائے تبارک و تعالےٰ اپنی ودیعت رسالت کے مخصوص مقامات کو خوب جانتا اور پہچانتا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ سوال تھا جو اوپر لکھا گیا۔ قاضی صاحب نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کم عمر اور صغیر السن قیاس کر کے اُس مناظرے کو پہلے ہی سے ایک محض معمولی امر یقین کر لیا تھا۔ اور اُن کے اس معرکۃ الآرا جلسہ کو اُس وقت تک ایک بازیچۂ طفلاں سے زیادہ نہ سمجھا تھا۔ اُن غریب کو کیا خبر تھی کہ اُن کی امید کے خلاف۔ یہ مناظرہ آخر میں اُنکی سخت ندامت اور ذلت کا باعث ثابت ہوگا۔ اس لئے قاضی صاحب نے اپنی دانست میں ایک معمولی مسئلہ کے استفسار پر اس مہتم بالشان جلسہ کو طے کر دینا چاہا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ مسئلہ ایسا نکلا جس کے احکام مختلفہ سے خود قاضی صاحب کو کوئی خبر نہیں تھی۔ جیسا کہ ابھی ابھی ظاہر ہوا۔

بہر حال عباسیوں کی اس معرکۃ الآرا صحبت اور اُن کے عظیم الشان عالم زبردست کی جماعت کی استعداد اور قابلیت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی۔ واقعی اگر آپ مؤید بتائید ربانی اور مشرف بہ تشریف یزدانی نہ ہوتے تو ایسے مہتم بالشان جلسے میں سینتیس ۳۳ دانشوں میں ایک زبان کی شان ہو کر۔ آپکی کامیابی کی بہت کم امید کی جاتی تھی۔

جب یہ تمام معاملات طے ہوگئے تو مامون نے اُسی وقت اور اُسی عظیم الشان جلسہ میں جس میں اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ موجود تھے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا عقد اپنی چھوٹی لڑکی ام الفضل کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔ ثمّ زوّجه فی ذالك المجلس بنته ام الفضل۔ اب عبّاسیوں کو مامون سے اس امر خاص میں کسی عذر اور کلام کا کوئی موقع یا گنجائش باقی نہیں رہی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مدینہ کو واپسی

تھوڑے دنوں کے بعد بروایتے پورے ایک برس کے بعد۔ مامون نے بڑے انتظام واہتمام سے امّ الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہمراہ مدینۂ منورہ کی طرف رخصت کر دیا۔ اور اب عباسیوں کو بھی اس امر خاص میں کوئی کلام یا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

عباسیوں کو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات میں ناکامیاب رہکر تنبیہ اور عبرت کیا ہوگی کہ اُنکی مخالفت اور مخاصمت کی آگ اور بھڑک گئی۔ اور اپنے اُن مخالفانہ معاملات میں اب مامون سے تو کچھ عرض و معروض کی جرأت نہ کر سکے۔ مگر ہاں اُنھوں نے اپنی مخالفت کی خفیہ اور محض پوشیدہ تدبیروں سے زن و شوہر میں ہمیشہ ایک سخت نا اتفاقی قائم رکھنے کی لئے پورا بند وبست کر لیا۔ اور اس شادی اور یکجائی کا نتیجہ آخر میں اچھا نہیں ثابت ہوا۔ ام الفضل کے معاملات حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں کبھی رفاقت اور باہمی محبّت والفت کے طریقہ میں درست نہ ثابت ہوئی۔ اور ام الفضل کی طرف سے کبھی اُن کی خیر خواہی۔ محبّت اور اخلاص کا اظہار نہیں کیا گیا۔ بخلاف اس کے کہ وہ ہمیشہ مدینہ سے خط لکھ لکھ کر مامون کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف سے اُبھارتی رہی۔ اور اپنے باپ کو اپنے مستوجب الطاعت شوہر کا دشمن بناتی رہی۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں۔

ثمّ اتوجّه بها الی المدینة فارسلت تشتکی منه لابیها انه تسری علیها فارسل الیها ابوها انا لم تزوّجك له لنحرم علیه حلالا فلا تعودی بمثله۔

جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ام الفضل کو لیکر مدینہ میں تشریف لے گئے تو ام الفضل نے اپنے باپ مامون کو آپ کی شکایت میں لکھ بھیجا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام لونڈیوں

کے ساتھ زیادہ صحبت رکھتے ہیں۔ مامون نے اس کے جواب میں اُسکو لکھ بھیجا کہ ہم نے تمہارا نکاح ان کے ساتھ اس لئے نہیں کیا کہ تم اُن کے لئے وہ چیزیں حرام کردو جو اُن پر خدا کی طرف سے حلال کی گئی ہیں۔ پھر کبھی ایسی باتیں نہ کیجئو۔

بہرحال۔ اس کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ام الفضل نے جو جو مخالفت اور مخاصمت کے اظہار کیے، اُن کو ہم اپنے آیندہ سلسلۂ مضامین میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان

مامون کی آخر عمر میں شادی

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مدینہ لوٹ جانے تک کے حالات لکھکر۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ تاریخی مشاہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مامون نے اس شادی کے تھوڑے دنوں کے بعد اپنی شادی حسن ابن سہل کی لڑکی بُوران نامی سے اُس کی خاص سکونت کے مقام میں جسے فم الصلح کہتے تھے۔ بہت بڑی دھوم دھام سے کی یہ شادی ۲۰۹ سنہ ہجری مامون کی وفات سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی۔

اس شادی میں مامون نے بہت بڑی ہمت اور فراخ حوصلگی سے کام لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اُس کے ایسے کاموں کے لئے زیادہ ترموزوں تھا۔ کیونکہ اس وقت اُس کو چاروں طرف سے اطمینان کُلی حاصل تھا۔ اُسکی ادنےٰ داد و دہش کی نسبت صاحب روضۃ الصفا یہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مامون نے تمام ممالک فارس۔ اہواز اور ایران کا یکسالہ خراج ایک جگہ جمع کرکے اپنے خسر حسن ابن سہل کے خزانچی کو سپرد کر دیا۔ اور دوسرے سال کا خراج رعایا کے لئے معاف کر دیا۔ لڑکی والوں نے بھی مامون سے ہمت اور فراخ دلی کم نہیں ثابت کی۔ اُن تمام شاہی اسباب و اموال جہیز میں جو چیزیں لڑکی کو دی گئی تھیں چالیس خوان موتیوں اور اشرفیوں سے بھرے ہوئے نوشاہ (مامون) کے سر پر تصدق کر دئے گئے۔ اور جس مکان میں شاہی خلوت واقع ہوئی۔ چالیس من موم خالص کی ایک بتی عنبر اشہب اور کافور کی کیمیاوی ترکیب کے ساتھ تیار کی گئی تھی۔

بہرحال۔ مامون کی یہ پچھلی شادی اپنے تزک و احتشام اور سلطانی انتظام کے اعتبار سے اعجوبۂ روزگار تھی۔ صاحب روضۃ الصفا کی تحقیق میں مامون کی یہ شادی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا عقد بیک وقت واقع ہوئی۔ مگر یہ خلاف مشہور ہے۔

مامون کی آخیر مُلکی دشواریاں

اس میں شک نہیں کہ مامون کی سلطنت کے آخر ایام اُس کے ابتدائی زمانہ سے بدرجہا بہتر گزری مگر تاہم اُس کے یہ ایام بھی دشواریوں سے خالی نہیں گئے۔
سنہ ۲۱۲ ہجری میں مامون مصر کی طرف عبدوس نامی ایک شخص کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا عبدوس نے مصر اور اُس کے اطراف وجوانب میں ایک عرصہ سے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور بہت سے نظام مُلکی میں خلل ڈالا تھا۔ مامون نے موقع پر پہنچکر عبدوس کی پوری سیاست کی۔ اور مصر میں قیام کرکے اور وہاں کی بدنظمیوں کو درست کرکے روم کی طرف بڑھ گیا۔
مامون کے روم جانے کی خاصکر یہ وجہ تھی کہ آج کئی برس پیشتر سے رومیوں نے اپنی قدیم عادت کے مطابق ممالک شام اور فلسطین پر حملات شروع کر دئیے تھے۔ اور ممالک اسلامیہ کے خاص حدود متصلہ پر اپنی مخالفانہ دستبرد سے وہاں کی رعایا کو سخت تہلکہ اور پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ مامون اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ جن کی تعداد ساٹھ ہزار بتلائی جاتی ہے حدود روم میں پہنچکر مقیم ہوا۔ قیصر کو مامون کی یہ تیاری ۔ آمادگی اور ہمت دیکھکر کچھ ایسی ہیبت سمائی کہ اُس نے بغیر لڑے بھڑے پہلے ہی سے مصالحت کے پیغام بھیجے۔ بالآخر مامون بھی راضی ہو گیا۔ مگر جب تحریر صلحنامہ کا وقت آیا تو قیصر رومی نے اپنی عظمت قدیمی قائم رکھنے کے لئے اس امر پر اصرار کیا کہ صلحنامہ میں مامون سے پہلے میرا نام درج کیا جاوے۔ جس کو مامون کی موجودہ سلطانی ہمت اور حمیت نے کسی طرح قبول نہیں کیا۔ کئی روز تک فیمابین یہ جھگڑا پڑا رہا۔ مگر کسی طرف سے کوئی امر طے نہیں ہوا۔ آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ مصالحت کی گفتگو اور صلح وآشتی کے تمام راستے بند ہو گئے۔ اور جانبین سے مقابلہ کی تیاری ہونے لگی۔ یہاں تک کہ مامون نے پیشدستی کرکے رومیوں پر پوری فتح حاصل کی۔ اور اُن کو شکست پر شکست دیکر اُن کے مقابل اور ممالک میں برابر بڑھتا اور دھنستا چلا گیا۔ اور اُن کے چار بڑے بڑے قلعے تھوڑے ہی عرصہ میں خالی کرالئے۔ قیصر تو پہلے ہی سے مامون سے مقابلہ میں دب رہا تھا۔ اب اُس کے مقابلہ میں اور بھی مُنہ چھپانے لگا۔ مامون اُس وقت علاقہ طرطوس تک اپنی فتوحات کا سلسلہ پہنچا چکا تھا کہ ایکبارگی اُس کی موت آگئی ؎
ما درچہ خیالیم وفلک درچہ خیال۔

مامون کی وفات

علاقہ طرطوس میں پہنچکر اور یہاں کی آب وہوا کو معتدل اور اپنے مزاج کے بالکل موافق پاکر

مامون نے محض آرام رسانی اور تن آسانی کی غرض سے یہیں قیام کیا۔ مامون کی قیامگاہ سے چشمہ ندندون جسے پہلے زمانہ میں قشیرہ کہتے تھے۔ قریب تھا۔ جسکا پانی اپنی لطافت۔ شیرینی اور خنکی کے لئے دور دور تک مشہور و معروف تھا۔ ایک دن مامون تفریح کے خیال کے اُس چشمہ میں نہایا۔ نہانا تھا کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور وہی پانی جو عموماً تمام دنیا کے مریضوں کی شفا کا باعث ثابت ہوتا تھا اس وقت مشیّت کے حکم اور تقدیر کے ارادے سے مامون کے لئے ہلاکت کا اصلی سبب ظاہر ہوا۔

علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ اس چشمہ کا پانی سردی میں ایسا تھا کہ کوئی کیسا ہی توانا اور قوی الجثہ شخص کیوں نہو۔ مگر ایک لحظہ سے زیادہ اُس پانی میں ٹھیرنے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اور اُس کی صفائی اور لطافت کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی پیسہ اُس میں ڈالدیا جاوے تو وہ اُس کی تہ میں پہنچکر پانی کی بالائی سطح سے برابر دکھلائی دیتا رہے۔

مامون اس میں نہایا۔ اور نہانے کے بعد اُس کے کنارے فرش بچھا کر بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں ایک بڑی سی نہایت صاف و شفاف مچھلی دکھائی دی۔ مامون نے اپنے فراش کو حکم دیا کہ اِس کو پکڑلے۔ فراش نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور اُسے پکڑا۔ مگر وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ فراش نے بار دیگر کوشش کی۔ ابھی وہ اس کوشش میں تھا ہی کہ مامون کو سردی کے آثار محسوس ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ اُس کی بیخودی کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ وہاں سے مطلق جنبش نہ کرسکا۔

اتنے میں وہ فراش وہی مچھلی پکڑ لایا۔ مامون نے اُس کے پکائے جانے کا حکم دیا۔ مامون چونکہ علیل ہو گیا تھا۔ اور اُس کی علالت بھی ایکباری ایسی ترقی کر گئی تھی کہ وہ اپنے مقام سے ہلنے پر بھی قادر نہیں تھا۔ اس لئے خیمۂ سلطانی وہیں قائم کر دیا گیا۔ اور مامون کو بہت سے گرم کپڑے ایک پر ایک کرکے اُڑھائے گئے۔ مگر اُس کی قیامت کی سردی کسی طرح کم نہیں ہوئی۔ اور وہ برابر اَلْبَرْدُ۔ اَلْبَرْدُ۔ چلاتا ہی چلا گیا۔

آخرکار حکیم بختیشوع نصرانی۔ طبیب شاہی کے حکم سے خیمۂ سلطانی کے اندر اور باہر چاروں طرف کثرت سے آگ سلگا دی گئی۔ اور اپنے حسابوں وہ مقام کرۂ نار بنا دیا گیا۔ مگر مامون کی سردی کی شکایت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ بدستور سابق سردی سردی پکارتا رہا۔ اسکی مرض میں آنًا فآنًا ایسا اضافہ ہوا کہ جب وہ مچھلی شاہی مطبخ سے پکا کر اُسکے کھانے کے لئے

اُس کے سامنے لائی گئی تو وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اُس میں سے ایک ریشہ بھی نہ کھا سکا۔
دارالخلافت کے دونوں مشہور و معروف شاہی طبیب حکیم بختیشوع نصرانی اور حکیم ماسویہ ابو اسحاق معتصم کے ہمراہ مامون کے پلنگ سے لگے بیٹھے تھے۔ معتصم نے مامون کی یہ کیفیت دیکھکر ان اطبائے سلطانی سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو میرے بھائی کے بچنے کی بھی کوئی امید ہے۔ یہ سُنکر وہ دونوں طبیب اُٹھے۔ اور مامون کے سرہانے بیٹھکر نہایت غور۔ خوض اور احتیاط سے اُس کی نبض کو دیر تک دیکھتے رہے۔ مامون اُس وقت کسی قدر ہوش میں آگیا تھا۔ معتصم اُس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ اتنے میں مامون کے مُنہ سے لعاب کی ایسی منجمد رطوبت خارج ہوئی طبیب شاہی نے اُسے فوراً اپنے رومال سے پاک کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسی ہی رطوبت اُسکی تمام بدن سے خارج ہونے لگی۔ معتصم نے پوچھا کہ یہ رطوبت کیسی ہے۔ تو دونوں حکیموں نے کہا کہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ اسی اثنا میں مامون آپ ہی آپ ہوش میں آگیا۔ اُس نے رومیوں کو فوراً اپنے سامنے بلایا۔ اور اُن سے دریافت کیا کہ اس چشمہ کو سابق میں کیا کہتے تھے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ اسے قشیرہ کہتے ہیں۔ مامون نے پوچھا تمہاری زبان میں قشیرہ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ دونوں پاؤں پھیلا دینے کے ہیں۔ مامون نے اس معاملہ میں فال بدمراد لی۔ پھر اُن سے پوچھا کہ اس علاقہ کا کیا نام ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ علاقہ طرسوس کے متعلق۔ اس حصہ کو رقہ کہتے ہیں۔ رقہ کا نام سُنتے ہی مامون کے حواس جاتے رہے۔ اور اپنی موت کا اُسے یقین ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے اپنے زائچۂ تقدیر میں دیکھا تھا کہ اُسکی وفات شہر رقہ میں واقع ہوگی۔ اسی وجہ سے اتنا خیال اور اتنی احتیاط اُسے ہمیشہ بنی رہتی تھی کہ وہ عراق کے مشہور شہر رقہ میں بھی کبھی ٹھیرا نہیں کرتا تھا۔
بہر حال۔ رومیوں سے باتیں کرکے جیسا کہ مسعودی ذہبی اور صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے مامون نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا یا من لا یموت ارحم من یموت اے وہ کہ جو نہ مرنے والا ہے مرنے والے پر رحم فرما۔ یہ کہکر وہ بیہوش ہو گیا۔ اور رات کے نو بجتے بجتے وہیں مر گیا۔ معتصم نے اُسی وقت مامون کی تجہیز و تکفین سے فراغت کرکے اُسکو قصبۂ طرطوس میں لیجاکر مدفون کر دیا۔ جو اس چشمہ سے ڈھائی کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مامون کی عمر اس وقت ۴۸ برس کی تھی اور اُس کی حکومت کو بیس برس پانچ مہینہ اور تیرہ دن گزر چکے

تھے۔ مامون کے مرنے کے بعد معتصم نے ممالک رومیہ میں زیادہ قیام کو مصلحت وقت نہ سمجھا۔ اور فوراً اپنی ہمراہی جمعیت کی ساتھ دار الخلافت بغداد کی طرف واپس آیا۔

مامون کے عادات وخصائل

عبداللہ الملقب بہ مامون بنی عباسیوں کا ساتواں خلیفہ تھا۔ اور کامل بیس برس تک بلاد اسلامیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اُس کی سلطنت کے ابتدائی ایام کسی طرح مطمئن اور آرام دہ نہیں کہے جاسکتے۔ جیساکہ مشاہدات تاریخی سے متواتر کئی مقاموں پر اوپر لکھا جاچکا ہے۔ اور نہ اوائل ایام میں اُس کی طرز حکومت سے بیدار مغزی۔ ہوشیاری اور آزادی کے کوئی آثار معلوم ہوتے تھے۔ مگر اُس نے اپنی آخر سلطنت میں اپنے حسن تدبیر اور سیاست ملکی کی چند اعلےٰ مثالیں ایسی دکھلائیں جن سے ثابت ہوگیا کہ وہ فطرتاً غافل۔ کاہل اور آرام طلب نہیں ہے۔ جہاں تک تاریخی مشاہدے سے تفحص احوال کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمی استعداد میں اپنے دونوں بھائیوں امین اور مؤتمن سے بدرجہا افضل تھا۔

اس میں بھی کلام نہیں کہ اُس کی صحبت میں ہمیشہ صاحبان علم وکمال جمع تھے۔ اُس کی صحبت اور اُس کی مجلسوں میں مذاکرہ علمی کے سوا دوسرے چرچے بہت کم ہوتے تھے۔ اُس کے زمانے میں مختلف علوم کی کتابیں غیر زبانوں میں سے عربی میں سلطنت کی خاص خرچ سے ترجمہ کرائی گئیں۔ ان میں ریاضی۔ طب۔ جغرافیہ۔ نجوم اور طبعیات وغیرہ مخصوص طور پر داخل ہیں۔

رفاہ عامہ اور اصلاح رعایا کے بہت سے مفید کام عمل میں لائے گئے۔ کثیر التعداد مدرسے بیشمار شفاخانے۔ ہزاروں مہمانسرا۔ چھوٹے بڑے حوض وتالاب سلطنت کے اہتمام سے بنوائے گئے۔ جن سے ملک اور ملک والوں کے علاوہ۔ دیگر ممالک کے باشندوں کو بھی اتنے فائدے اور منافع اُٹھتے رہے جس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔

ہم نے جہاں تک مامون کے ذاتی حالات کی تلاش کی ہے۔ ہمکو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مامون اپنے اکثر طرز عمل میں ہندوستان کے اکبر کی مثال پایا جاتا ہے۔ جدید تاریخیں جو مغربی تعلیم کے زیر اثر ہوکر لکھی گئی ہیں۔ گویا اس تشابہ پر قریب قریب ایمان لاچکی ہیں۔ اس وجہ سے جس طرح انگریزوں نے اکبر کو اعظم (Akber the great) کا خطاب دیا ہے۔ اُسی طرح ہمارے فخر قوم۔ رائٹ آنریبل مسٹر جسٹس۔ سیّد امیر علی خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای

نے اپنی تاریخ ہسٹری آو سار آمینس میں مامون کو اعظمیت کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔
اور مامون اعظم کے گرانمایہ القاب سے معزز فرمایا ہے۔
مگر ایک وسیع تاریخی نظر رکھنے والا کبھی ان وقتی راویوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اُسکے
نزدیک نہ اکبر میں اعظم ہونے کی اہلیت تھی اور نہ مامون میں صلاحیت۔ اگر اس عظمت
کا اعتبار فتوحات کی کثرت پر ہے تو جب مامون سے بابک ایسے مجہول الاسم اور غیر معروف
الاحوال شخص کی عمر بھر کوئی تدارک نہ ہوسکی۔ اور اسی طرح اکبر سے ہندوستان کی جنوبی
بدنظمیوں کی کوئی اصلاح نہوسکی۔ تو پھر اُس طریقہ سے ان دونوں حضرات کے لئے یہ خطابات
کبھی موزوں نہیں کئے جاسکتے۔
اور اگر نظام ملکی اور رفاہ عامہ کے کاموں کے اجرا و ایجاد کے اعتبار پر مامون اور اکبر دونوں
کو اعظم کا لقب دیا جاتا ہے تو مامون سے زیادہ منصور اعظم کہے جانے کے لئے شایان اور
سزاوار تھا۔ کیونکہ وہ فتوحات اور انتظامات دونوں صورتوں میں مامون سے بڑھا چڑھا
تھا۔ منصور ہی نے دار السلام بغداد کے ایسے عظیم الشان تعمیر کا مشہور روزگار کام اپنے
ذمہ لیا تھا۔ جس میں رفاہ عامہ کی اتنی خبریں فراہم کی گئی تھیں کہ شاید تمام ملک میں
مامون اُتنی راحت عامہ کی ضروری چیزیں موجود کرنے پر قادر نہوا ہوگا۔ یہ سب کچھ منصور
ہی کا ساختہ تھا جو مامون کے ہاتھ آیا تھا۔
اسی طرح اکبر کو چھوڑ کر۔ فتوحات اور انتظامات۔ دونوں اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو
شیر شاہ اور شاہجہاں کی فتوحاتی وسعت اور رفاہ عامہ کے بندوبست۔ تاریخوں سے
کہیں زیادہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اس وقت تک بھی ممالک ہندوستان میں جس قدر
ان دونوں سلاطین کی یادگاریں قائم ہیں۔ اُتنی کسی اور فرمانروا کی نہیں۔
بہرحال۔ یہ اپنی اپنی رائے اور اپنا امور خانہ مختار ہے۔ جس میں مجھے کیا کسی کو بھی کوئی
عذر اور کلام کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہاں۔ جہاں تک ان جدید اعظموں کے ذاتی
محاسن کا تفحص کیا گیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی اس قابل نہیں
کہ سکندر ذوالقرنین کی طرح اعظم کی ڈگری حاصل کر سکتا ہو۔
باقی رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ دونوں فرمانروا اپنی تدبیر اور ملکی سیاست میں بہت
بڑے تیار اور مشاق تھے۔ اور اس میں بھی عذر نہیں کہ مشرقی ممالک کے تاریخی افق میں

یہی دو چار ستارے ہیں جو ظاہر میں نگاہوں میں برابر ڈوبتے اُچھلتے نظر آتے ہیں۔ اور ہر کس و ناکس کی نظر سب سے پہلے انہیں کی طرف پڑتی ہے۔
اکبر کے حالات کو مامون کے واقعات کے ساتھ ایک قدرتی تشابہ ہے۔ اکبر کے ابتدائے ایام میں جس طرح تمام ملکی کاروبار بیرم خاں ترکمان کے ہاتھ میں تھے اُسی طرح مامون کے شروع زمانہ میں اس کے اتالیق فضل ابن سہل تمام امور سلطنت کا مختار تھا۔ فرق تھا تو اسی قدر کہ بیرم خاں ترکمان کو اکبر سے اتالیقی کے علاوہ قرابت کے حقوق بھی حاصل تھے۔ اور فضل ابن سہل کو مامون سے۔ سوائے خدمت کے۔ کسی عزیزداری یا قرابت کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ فضل بھی ایرانی الاصل تھا اور مامون بھی ماں کی طرف سے ضرور ایرانی تھا۔ مگر یہ اتحاد اتنا قابل اعتماد نہیں ہو سکتا جتنا اکبر اور بیرم خاں ترکمان کا۔
مگر کیا۔ آگے چل کر۔ جب یہ دونوں فرمانروا اپنے اپنے کاروبار ملکی میں اپنے تجربہ کار اور ہوشیار اتالیقوں کی روزانہ تعلیم و صحبت سے مستفیض ہو کر صاحب تدبیر ہو گئے۔ اور اتنے کہ آزادانہ حکومت کرنے کی کامل صلاحیت فراہم کر چکے تو جس طرح اکبر نے بیرم خاں ترکمان کی قوت و اقتدار سے مخوف ہو کر اُس کے تمام آثار و اقتدار کو اپنے ممالک محروسہ سے اُٹھا دیا اور جملہ کاروبار سلطنت اُس سے منتزع کر لئے۔ اُسی طرح مامون نے بھی آخرکار فضل ابن سہل کو جو اس کی سلطنت کی ابتدا سے لیکر آج تک اُس کے تمام ملک و دولت پر حاوی ہو رہا تھا ہٹا دیا۔
مگر افسوس کوئی تاریخ۔ کوئی تذکرہ۔ اکبر کو بیرم خاں کا قاتل نہیں بتلاتا۔ بخلاف اسکے تمام تاریخیں۔ تمام تذکرے۔ مامون کو صاف صاف اور کھُلے کھُلے لفظوں میں فضل کا قاتل بتلاتے ہیں۔ ان دونوں کی مساوات میں پھر اختلاف ہے تو اتنا کہ اکبر کی حسن تدبیر میں معاملات انتقام اور مقدمات سیاست کے ساتھ رحمدلی۔ محاسن خدمات۔ ہمدردی۔ مروت اور نرمی کا پہلو بھی ضرور کیا جاتا تھا۔ مگر مامون کے آداب سیاست اس سے بالکل خالی تھے۔ ہرثمہ ابن اعین (باسناد روضۃ الصفا) فضل ابن سہل۔ حسن ابن سہل۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے واقعات اس امر کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔
مامون سیاست کے خاص معاملات میں عالمگیر کا مماثل ثابت ہوتا ہے۔ نہ اکبر کا مقابل۔

بہر حال - مامون کی یہ حسن تدبیر ہو - یا ملکی انتظام کی مجبوریاں - یا نظام حکومت کی وقتی ضرورتیں جو کہی جائیں - مگر ہم اتنا ضرور کہیں گے - کہ مدبّران ملکی اور مؤیدان مامونی - چاہے اپنی زبانی اصطلاع اس کے عیوب کو کیسا ہی نہ چھپائیں - مگر جب اس کے اصل حالات اور صحیح واقعات پر اختلافی اعتبار سے نظر ڈالی جائیگی - تو اُس کی یہ تدبیر - یہ نظام - ہمدردی - مروت اور اخلاق کی شرائط سے کوسوں دور سمجھے جائیں گے -

بہر حال - مجھ کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر اور کلام نہیں ہے کہ مامون اکبر کی طرح اپنی تدبیر و سیاست کا پُتلا تھا - اور خصوصًا وہ اپنی تدبیروں کی رازداری میں ایسی احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیتا تھا جو دوسرے سے ناممکن ہے - مگر جہاں تک ان رازداریوں کے حالات دریافت کئے گئے ہیں - یہ ظاہر ہوا ہے کہ اُس کی یہ حزم و احتیاط بھی زیادہ تر انہیں حضرات کی سیاست تک محدود و منحصر تھی - جن کی قوتوں کو وہ حد اعتدال سے متجاوز پاکر بیستاصل کرنا چاہتا تھا - اُس کے اطمینان اور تسلط کے زمانہ میں اُس کی ان کارروائیوں کا نشان بھی نہیں پایا جاتا - اگر حقیقت میں وہ اس اصول کا پابند تھا تو بابک خارجی کے معاملات میں اُسکی کوئی حزم و احتیاط - اُسکی رازداری اور ہوشیاری ذرا بھی مفید کار ثابت نہوئی - اور نہ اُس کے معاملات میں مامون کی ان کارروائیوں کا کہیں نام و نشان پایا جاتا ہے -

اس وجہ سے ہمارا یہ خیال بہت درست ہے کہ اُسکی یہ تدبیر - رازداری - احتیاط اور ہوشیاری صرف اُس کے استحکام سلطنت کی ضرورتوں تک محدود تھیں - جب تمام ممالک محروسہ میں مامون کی حکومت کا استحکام ہو گیا - تو اُس کو ان باتوں کی محتاجی باقی نہیں رہی - اس لئے اُس کو بابک ملحد کے معاملات میں ان تدبیروں کو عمل میں لانے کی ضرورت نہیں ہوئی - کیونکہ اُس زمانہ میں مامون کا تسلط تمام مُلک پر پورے طور سے ہو چکا تھا - مگر اُس کا یہ خیال غلط نکلا - اور وہ اپنی اس غلط فہمی اور انانیت کی وجہ سے بابک کے معاملات میں فی نمرہ کامیاب نہ ہو سکا - اُس کو اس کے مقابلہ میں بھی اپنی قدیم تدبیروں سے کام لینا ضروری تھا - کیونکہ مرو سے بغداد میں چلے جانے کی وجہ سے ایران - مصر اور روم کی سرحدوں پر بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں - اور یہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسے اس کے مرو میں بیٹھے رہنے سے بغداد - عراق اور حجاز میں تمام بدنظمیاں واقع ہو گئی تھیں ہم بہت جلد

مامون کے اس اخیر وقت کی بے ہچینیوں کی کیفیت اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرتے ہیں۔
بہرحال۔ مامون نے بابک کے معاملات میں اپنے قدیم طرز عمل سے کام نہیں لیا اور اُس کی یہ غلط فہمی اُس کی ناکامیابی کا باعث ہوئی۔ ان قرائن سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی اُن تدبیروں کو انہیں لوگوں کے خاص استیصال تک اختیار کیئے رہا۔ جن کو وہ اپنے موجودہ نظام ممالک کا سراسر مخالف سمجھتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک ذی شعور مدبّر کی آزادانہ رائے سے محض خلاف ہے۔ تدبیر کی عملی صورتوں میں ضرورت اور احتیاج کے اعتبار سے جو تغیّر نہ واقع ہو اُس میں کلام نہیں۔ مگر ایک مخالف کے مقابلہ میں مختلف تدبیروں سے کام لینا اور دوسرے حریف کے سامنے پھر ان کا کہیں نام بھی نہ لینا ہرگز آئین سیاست کا منشاء نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ طریقہ ایک ذی شعور مدبّر کی حسن تدبیر سے محض خلاف ہے۔
بہرحال۔ اس میں کلام نہیں کہ ممالک مغربیہ پر تسلّط پاکر مامون کے مزاج میں انانیّت ضرور آگئی تھی۔ اور وہ اپنی سلطنت کے موجودہ استحکام اور انتظام کو لازوال سمجھنے لگا تھا۔ اُس کے مزاج میں پہلے نرمی۔ مروّت۔ رعایت۔ غرض انسانی ہمدردی اور اخلاق کے تمام انداز و آثار پائے جاتے تھے۔ مگر موجودہ زمانہ میں وہ اپنے مجرمین اور ملازمین سلطنت کے ساتھ معافی اور فروگزاشت کا زیادہ خوگر تھا۔ اور فی الحال وہ مجرم کی سختت سے سخت سزا دینے کا عادی ہو گیا تھا اور آخر وقت تک مامون کے مزاج کی یہی کیفیت بنی رہی۔
چنانچہ اُس نے اپنے بعد اپنے قائم مقام خلیفہ معتصم کو تین وصیّتیں خاص طور پر کیں۔ جن میں تیسری وصیّت یہ تھی کہ سیاست کے وقت رعایت کا خیال نہ رکھنا۔ بلکہ جہاں تک ہو اُس میں اضافہ کرنا۔
ان قرائن کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ مامون کے مزاج میں اُس وقت سے لیکر اس وقت تک کتنا تغیّر اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُن تمام واقعات کو جو ہم نے پوری تفصیل سے اپنی کتاب تحفۂ رضویّہ میں قلمبند کیئے ہیں۔ مدنظر رکھکر تمام دنیا کے لوگ نہایت آسانی سے معلوم کر لینگے کہ مامون بھی اپنی روش اور اپنے عملی طریقوں میں اپنے اسلاف کا پورا نمونہ اور یادگار تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ وہ اپنی تدبیروں میں اتنی احتیاط اور رازداری سے کام نہیں لیتے تھے جتنا کہ مامون۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُن کے طرز عمل بہت جلد

تمام دنیا کو معلوم ہوجاتے تھے۔ اور اسکی خفیہ تدبیروں کے راز دیر میں کھُلتے تھے۔ اور غور و تامل کے بعد سمجھ میں آتے تھے۔ ورنہ مامون اور اُس کے سلاطین پیشین کے عملی طریقوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

اسلامی تاریخوں میں مامون کے اوصاف و کمال کی اتنی شہرت کا باعث اُسکی یہی حسن تدبیر اور ملکی اصلاح ہے۔ جو وہ آخر وقت میں بجالایا۔ جن لوگوں نے مختلف ممالک کی تاریخوں کی سیر کی ہے وہ بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں کہ سیاسی دنیا میں نظر بر استحقاق و اوصاف اضافی وغیرہ اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جتنا کہ حسن تدبیر اور امور سیاست پر۔ ایک فرمانروا کے تنہا یہ ذاتی اوصاف اُس کے اور عیوب و مناقص کی ستر پوشی کے لئے پورے طور سے کافی ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے دل سے اُنکو بالکل مٹا دیتے ہیں۔

عرب کی تاریخ تو ایسی مثالوں سے بالکل پُر ہے۔ خلافت راشدہ کے حق ناحق مسئلہ کو تو جانے دیجئے۔ خلافت امویہ کے ناحق دخل در معقولات پر تو اکثر کو اتفاق ہے۔ اور سلاطین بنی امیہ کے معائب اور مناقص کا مسئلہ مسلمہ اور طے شدہ ہے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے ولید کے ایسے فاسق و فاجر کے محامد و اوصاف سے عربی اور فارسی کی تاریخ و سیر بھری پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ اس زمانہ کے کامل محققین اور فاضل مؤرخین بھی۔ جن کی جدید تحقیقات اور علمی افادات کے صلہ میں شمس العلماء وغیرہ وغیرہ کے خطابات ملے ہیں۔ ولید کے ایسے ننگ خاندان مسلمان کو نہایت فخر و مباہات کے ساتھ ہیرو آف اسلام Heroes of Islam شجاعان اسلام کی مقدس فہرست اور مبارک سلسلہ میں خواہ مخواہ داخل کئے دیتے ہیں ؎ گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد + وائے گر از پس امروز بود فردائے۔

ایسے بیجا انتخاب کرنے کے لئے ایسے یکطرفہ اور جانب دار مؤلفین و مؤرخین کو شرمناک غیرت اور عبرت پکڑنا چاہیئے۔ افسوس وہ مسلمان ہوکر ممیزان اسلام کی ادنےٰ فہرست تیار نہ کرسکے تو آیندہ اُن کی تالیفات و تصنیفات سے صحیح واقعات اور اصلی حالات معلوم کرنے کی کیا امید کیجا سکتی ہے۔ اُنہیں کے بالکل برعکس ہم ایک یوروپین European مؤرخ کے محض بے تعصب اور عادلانہ انتخاب کی مثال پیش کرتے ہیں جو ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے پورے طور سے کافی ہے۔

انگلینڈ (England) کے مشہور و معروف مورخ مسٹر کارلائل (Caralayal)
نے دنیا بھر کے ممیتزین کا انتخاب کیا ہے۔ حالانکہ وہ یوروپین تھا۔ عیسائی تھا۔ سوائے
مخالفت کے اُس کی ذات سے اسلام کے لئے دوسری امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن وہ
متعصب نہین تھا۔ وہ کسی کا طرفدار اور جانب دار نہیں تھا۔ اگر وہ اسلام کی طرف سے
متعصب اور عیسائیت کا طرف دار ہوتا تو جیسا کہ اور متعصبین یوروپین مؤلفین کا طرز ہے
اسلام کو نہ دنیا کے مذاہب میں داخل کرتا اور نہ بانی اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خدا
کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں شامل کرتا۔ مگر نہیں وہ کتاب لکھنے بیٹھا تھا اور ایک سخت اور
اہم فیصلہ کرنے۔ نہ تعصب کا پیٹ بھرنے۔ اور نہ اسلاف کی کورانہ تقلید پر مرنے۔ اُسنے
اسلامی دنیا کے ممیتزین میں۔ اگر کسی کو انتخاب کے قابل سمجھا۔ وہ سوائے جناب محمد مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے کوئی تیسرا نہیں تھا۔
دیکھو۔ کارلائلز لکچرز آن ہیر و اینڈ ہیروز ورشپ Carallayal's Lectures on
Hero & Heroe's Worship. -

اسلامی فاضل مورخ نے پھر ایسا بیجا اور غیر منصفانہ انتخاب کیوں کیا۔ صرف اس لئے کہ ولید
اپنے حسن تدبیر کا پکا تھا۔ اس وجہ سے بلاد اسلامیہ میں اسکا کامل تسلط ہوا۔ اور اُسکے وقت
میں فتوحاتی اضافات جو خلافت اور امارت اسلام کے خاص معیار قرار دے لئے گئے ہیں
کثرت سے واقع ہوئے۔ اب اُس کے اتنے ظاہری اوصاف کے مقابلہ میں اُس کے
ذاتی معائب اور مناقص کا نام بنانا یا ذکر کرنا ارباب سیاست کے آگے بہت بڑی خطا اور
بہت بڑا گناہ ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ولید وہی شخص ہے۔ صاحب روضۃ الشفا جس کی
نسبت لکھتے ہیں۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے۔

ولید جبّارے عنید بود۔ روایت است کہ اگر مولودے را ولید نام نہادندے حضرت
رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اورا مستنکرہ داشتے۔ چنیں نقل کردہ اند کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نوبتے فرمود کہ مثل فرعون ولید نامی درامت من باشد کہ اورا
فرعون ثانی خوانند۔ ومضمون ایں حدیث درشان ولید ابن عبد الملک سمت
وضوح یافت۔

فرعون ثانی اور اہیروز آف اسلام میں شامل کیا جاوے۔ فاعتبروا اولی الابصار۔ ایک

عیسائی یوروپین کا وہ قابل قدر اور سچا انتخاب تھا۔ اور ایک مسلمان شمس العلما کا یہ متعصبانہ اور گمراہانہ انتخاب ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ ع قدر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ نتیجہ کیا ہوا۔ کارلائل کی انتخابی تجویز کو ساری دنیا کی قوموں نے بلا عذر مان لیا۔ اور ان کے خوشامدی اور محض تعصبی فیصلہ اور تجویز کو کسی نے جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ اور اُن کے اس غلط اور جھوٹے انتخاب کی تردید قول رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے تو کر دی۔ اور اُن کے انتخاب کردہ ہیرو کو فرعون ثانی تک تو ثابت کر دیا۔ اب اسلام میں اگر فرعون عظمت اور وقعت سے دیکھا جاتا ہو تو بسم اللہ۔ وہ دیکھیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

عرب کو چھوڑ کر ہندوستان میں آؤ۔ اور شیر شاہ افغان کے حالات پر نظر کرو۔ تو بہت بڑا قابل تعریف فرمان روا تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر جن ترکیبوں سے اُس نے اتنی بڑی سلطنت حاصل کی وہ ہرگز جائز نہیں سمجھی جا سکتی۔ جن لوگوں نے ہندوستان کی تاریخیں دیکھی ہیں اور وہ تاریخیں جو حقیقت میں تاریخ ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہ سرکاری مدارس کی مروجہ نصاب تعلیم کی موجودہ ایڈس (Aids) معاون نوٹس (Notes) ڈایجسٹس (Digests) تلخیص۔ اور شارٹ اسکچز (Short Sketches) تخلیص التلخیص وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تمام ہندوستان میں شیر شاہ کے آئین حکومت آئینہ بنکر ایسے چمکے۔ اور اُس کے رفاہ عامہ اور اصلاح رعایا کے امور ایسی خوبی اور دلسوزی سے انجام دئے گئے کہ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے عالم۔ قاضی اور مفتی نے جن کی وجہ سے کفرستان ہند میں اسلام کی بنیاد قائم تھی۔ شیر شاہ کو الامام العادل کا خطاب دیکر اُسکی عدالت کو عدالت کے حقیقی معنوں میں تسلیم کر لیا۔

ان واقعات سے تو معلوم ہو گیا کہ ان علماء اور محدثین نے اُس کے ظاہری محاسن اور اوصاف کے مقابلہ میں اُس کے غلط استحقاق فی الامارت اور بیجا اور غصبی تصرفات فی الحکومت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ اُس کے ظاہری اوصاف و محامد پر اعتبار کر کے اُسکو تمام اہل اسلام کا امام عادل اور خلیفۂ برحق تسلیم کر لیا۔ حالانکہ اُن علماء اور فضلاء کو۔ اگر حقیقت میں وہ کچھ جانتے تھے تو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہنوز دلّی دور است۔ شیر شاہ غریب کس شمار میں ہے۔ اور اس بیچارے کی کیا حیثیت۔ ان سے پہلے اور بہت پہلے کے اسلامی خلفاء اور سلاطین

پہلے اپنے آپ کو امام عادل ہونے کے قابل بنالیں۔
بہرحال۔ میری اس طول وطویل تحریر سے ثابت ہو گیا کہ اہل الرائے والتدبیر سلاطین کے ظاہری اوصاف پر بالکل اعتبار کرتے ہیں۔ اور اُنکی مختلف راؤں کا دارومدار ان لوگوں کی تدبیر اور سیاست کے ظاہری محاسن پر ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کو چھوڑ کر یہ لوگ سلاطین کے دیگر اندرونی اور بیرونی حالات پر بہت ہی کم توجہ کرتے ہیں۔ اور اُن کی نسبت ان اقسام کی تعریضات کو زوائد اور حشویات سے شمار کرتے ہیں۔
نگران لوگوں کے خلاف۔ اخلاق کا ایک مستعد عالم عام ہمدردی اور رعایت کا سچا ساعی رعایا اور قوم کا دلسوز مصلح جب کبھی ان لوگوں کے حالات کا تفحّص کرے گا اور اُن کو اپنے معلومات کے اصول پر جانچے گا تو ضرور ان کے تمام عیوب کو دودھ کی طرح دودھ اور پانی کی طرح پانی کے ایسا جدا جدا کر کے بتلا دیگا کہ ان میں یہ عیب تھے اور یہ مناقص۔ مگر یہ امتیاز اُنہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص بھی ہیں۔ ظاہر بیں نگاہوں میں ان کا دکھلائی دینا محال کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ کیونکہ ؂ ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش کردند۔ کے اضافی اوصاف نے ساری دنیا سے اپنی یکتائی۔ بے عیبی اور صفائی کا سرٹیفکٹ لے لیا ہے۔ چاہیے وہ اسی کا فریفتہ اور جو ہے وہ اسی کا شیفتہ۔ اسی عالم لیکن غلط اصول پر زیادہ تر اہل زمانہ نے اپنا عمل درآمد شروع کر دیا۔ اور سلاطین کے معائب ومناقص کو اسقدر چھپایا۔ اور اُن میں ایسی ایسی رکیک تاویلیں نکالیں کہ آخرکار اُن کے طرز تحریر سے مشرقی قوموں کی طرف سے امراپرستی کی صاف صاف بو آنے لگی۔
مامون کے تمام حالات کو انہیں تالیفات وتصنیفات کا موضوع سمجھنا چاہیئے۔ مامون ہی پر موقوف نہیں۔ مامون کے ایسے ہزاروں تاریخوں میں بھرے پڑے ہیں۔ ان امور کے علماء فضلاء۔ مورخین اور مورخین کا سلطنت کے زبردست اثر اور دست نگر بنکر رہنا۔ یہی ان امور کی بہت بڑی شہرت کا باعث ہوا ہے۔ اسلامی تاریخوں میں یہ طریقہ کچھ مامون کے زمانہ کی ایجاد نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ مامون سے صدہا برس پہلے۔ یہ آئین خلافت کے تمام زمانہ میں جاری اور شائع پایا جاتا ہے۔ اور اسکی ابتدا ابھی معاویہ ابن ابوسفیان کے زمانہ سے پائی جاتی ہے۔ اور اس طریقہ کا اثر کچھ تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تنہا نہیں پایا جاتا۔ بلکہ علوم دینیہ۔ مثل علم التفسیر۔ علم الفقہ اور علم الحدیث وغیرہ میں

بھی اسکا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے موجودہ مضامین میں ان امور کو پوری تفصیل
کے ساتھ بیان کریں تو بہت بڑی طوالت ہوگی۔ اس لئے ہم اُس سے قطع نظر کرکے اُن کی
تصدیق و توثیق وغیرہ کو کتب رجال اور کتب موضوعات کے مطالعہ پر اُٹھا رکھتے ہیں۔
مامون کی تحقیق مذہب۔ دینداری۔ تقوے اور پرہیزگاری کی بحث بھی اوپر کئی مضامین میں
لکھی جا چکی ہے۔ اور اسی طرح اس کے شیعہ ہونے کی اصلی کیفیت بھی مختلف مقاموں
پر بیان ہو چکی ہے۔ اور اُس کے اخلاص و عقیدت کی بابت بھی کامل تحقیق تحریر ہو چکی ہو۔
اس لئے اُس کے متعلق بار دیگر کسی اعادہ اور اضافہ کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں ہو۔
مگر بااین ہمہ مامون کے تمام اندرونی اور بیرونی حالات پر نظر کرکے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے
کہ مامون کے ذاتی حالات اور اُس کے اطوار و عادات ظاہری طور پر بمقابلہ دیگر سلاطین
عباسیہ عام نگاہوں میں ضرور خوش آیند معلوم ہونے کے قابل تھے۔ اور وہ بھی۔ اپنی
ظاہری محاسن کے قائم رکھنے کی ضرورت سے۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کے ساتھ
رفق و مُدارا کے طریق قائم رکھتا تھا۔ اور ملکی رعایا کی دلجوئی اور خاطر کے موقعوں کی خوب
دیکھ بھال کرتا تھا۔ کیونکہ ان کی پرجوشی۔ بدنظمی اور عام ناراضی سے ایک بار نہیں
دو دو بار اُس کو عبرت اور ہدایت کا سبق مل چکا تھا۔ اس وجہ سے مامون نے بغداد پر پھر
بار دیگر تسلط پاکر اُن کی تمام شکایتوں کو اُنکے حسب دلخواہ رفع کر دیا۔
بہرحال۔ مامون کے ظاہری طرز عمل بیرونی نگاہوں میں ضرور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس
تنہا اور نمائشی خوشنمائی کو اُس کی باطنی اور قلبی پاکیزگی اور صفائی کی دلیل سمجھ کر اُس کی
عدیم المثالی اور یکتائی ثابت کرنا۔ سراسر بے اصول اور بالکل فضول ثابت ہوتا ہے۔
مامون کے عادات و خصائل کو اپنی موجودہ ضرورت کے مطابق لکھکر۔ ہم اپنے سلسلۂ بیان
کو آگے بڑھاتے ہیں۔

معتصم باللہ کی سلطنت

پہلی رجب سنہ ۲۱۸ ہجری کو مامون نے وفات پائی۔ اور پہلی رمضان المبارک سنہ ۲۱۸ ہجری کو
معتصم نے محاصرۂ روم سے واپس آکر بغداد میں تخت خلافت پر جلوس کیا۔
طبری کا بیان ہے کہ سنہ ۲۰۸ ہجری سے مامون نے اپنے بھائی معتصم کو اپنا ولیعہد تسلیم کرکے تمام
احکام سلطانی اور فرامین خسروانی کو اس عنوان سے لکھے جانے کا عام حکم دیدیا تھا۔ من

عبداللہ مامون ومن خلیفتہ معتصم - یوں سمجھنا چاہئے کہ مامون کی وفات سے آٹھ برس پہلے معتصم کی ولیعہدی کا اعلان تمام ممالک محروسہ میں پورے استحکام کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اگر غور سے دیکھا جاوے تو مامون کی ولیعہدی کا مسئلہ ہمیشہ ہزاروں اختلاف کا باعث ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر اُن تمام اختلافات کے ماسوا مامون کی ولیعہدی ایسی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے جس سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ مامون اپنی ولیعہدی کے انتخاب کو ذاتی کمال۔ جامعیت اور استعداد کے اصول اور اعتبار پر اختیار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ زیادہ تر موقع اور وقتی مصلحت پر اپنی نظر رکھتا تھا۔ جس شخص کی جس موقع اور جس وقت پر ضرورت دیکھی گئی۔ وہی ولیعہدی کے لئے اختیار کیا گیا۔ چنانچہ یہی طبری لکھتا ہے کہ مامون نے پہلے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے ولیعہد بنانے کے ساتھ ہی یہ شرط کی تھی کہ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے جناب امام محمد تقی علیہم السلام ولیعہد سلطنت معین کئے جائیں گے۔ اور پھر اُسی طبری کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مامون نے اپنی وفات سے آٹھ برس پہلے معتصم کو اپنی ولیعہدی کے لئے منتخب کر کے اپنے تمام ممالک محروسہ میں علی الاعلان مشتہر کر دیا تھا۔

بہر حال۔ یہ سب مامون کی تدبیر ملکی کے عجیب و غریب نیرنگ ہیں۔ جو واقع ہوتے گئے۔ اور مامون بھی بمصداق آنکہ ؎ ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد۔ جیسا وقت اور موقع دیکھتا گیا۔ اپنا کام کرتا گیا۔

عباس ابن مامون اور معتصم۔ عباسیوں کا نیا مفسدہ

یکم رمضان ۲۱۸ھ ہجری کو معتصم بغداد میں خلیفہ ہوا۔ اُس کا تخت خلافت پر قدم رکھنا تھا کہ عباسیوں کی خلافت نے کروٹ بدلی۔ اور اہل لشکر اور رعایا کو قدیم دستور کے مطابق اپنی سازش میں لا کر عباس ابن مامون کی امارت کا رنگ جمانے لگے۔ قریب تھا کہ طرفین سے فتنہ و فساد کے طوفان عظیم اُٹھیں اور دارالخلافت بغداد میں پھر وہی ہنگامے اور وہی شورشیں برپا ہوں جو دس برس پہلے واقع ہو چکی ہیں۔ اتفاق سے معتصم کی بہت جلد آنکھ کھل گئی۔ اور اُسنے بہت جلد اس آنے والی بلا سے اپنی نجات اور مخلصی کی فوری ترکیب سوچ لی۔ وہ یہ تھی کہ اُسنے عباسیوں کی اس سازش کی خبر پاتے ہی فوراً عباس کو اپنے پاس بُلا کر نظر بند کر لیا۔ عباس کا معتصم کے قبضہ میں آجانا تھا کہ عباسیوں

کے جانبداروں کے تمام حوصلے پست اور اُن کے سارے بندوبست شکست ہو گئے۔
معتصم نے عباس ابن مامون کے ساتھ کچھ ایسے وعدے وعید اور معاہد شدید کئے کہ آخرکار وہ اُسکی عالم فریبی کے گرم فقروں میں آگیا۔ اور اُس کی بیعت اختیار کرنے پر راضی ہو گیا۔ اور معتصم نے ایسے عمدہ اور خاص موقع کو ایک ساعت کے لئے بھی ضائع نہونے دیا۔ اور اُسکی وقت عباس ابن مامون کو تمام امرا و اراکین اور عمائد و اکابر کی ایک بہت بڑی جماعت میں لاکر اُس سے اپنی امارت کا اقرار اور اپنی بیعت بھی کرالی۔ عباس نے بے چون وچرا معتصم کی بیعت کرلی۔ اب کیا باقی رہگیا۔ دو ایک روز کے بعد عباس کی امارت یا اُس کے استحقاق فی الخلافت کے تمام ذکر و اذکار لوگوں کے دل سے فراموش ہو گئے۔ اور بنی عباس اور اُن کے تمام جنبہ دار بھی خاموش ہو کر اپنے اپنے مقام پر بیٹھ رہے۔ معتصم بھی اس اتفاقی اور ناگہانی واقعہ کو ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ کا مصداق سمجھکر اپنے ملکی کار و بار میں مصروف ہوا۔ اور عباس ابن مامون یا اُس کے طرفدار عباسیوں کے ساتھ کسی آیندہ سیاست یا معاوضے کو مناسب وقت نہ سمجھا۔

بابک کا خاتمہ اور دارالخلافت بغداد میں رومیوں کا عروج

ہم مامون کے حالات میں لکھ آئے ہیں کہ بابک ملحد نے جنوبی ایران میں خروج کرکے بہت سے لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ مامون پہلے اُس کے معاملات کو سہل اور آسان سمجھا تھا۔ اور محض جنگی افسروں کو اُس کی مہم کے لئے کافی خیال کیا تھا۔ مگر بابک کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے سامنے مامون کے جنگی افسروں سے کوئی کام نہیں نکلا۔ اور وہ سب کے سب اُس کے مقابلہ میں ہزیمت پر ہزیمت اور شکست پر شکست اُٹھاتے گئے۔ اس وجہ سے بابک کی بغاوت کے معاملات مامون کے زمانۂ حیات تک برابر ترقی پر ترقی کرتے گئے۔ اور مامون کو اُس کے دفعیہ کے لئے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔
مامون کے فوجی افسروں کے ناکامیاب رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ بابک اپنی جماعت کے ساتھ مقام حصین میں قیام گزیں ہوا۔ اور اطراف و جوانب میں اپنی امارت اور حکومت کا علانیہ اظہار کیا۔ اور تھوڑے دنوں میں۔ پھر تو چاروں طرف اُس کی امارت و حکومت کے سکے جم گئے۔ اور اُس کے پاس دس ہزار سے زیادہ کی جمعیت فراہم ہو گئی۔

مامون کو اس کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے بغداد سے متعدد فوجیں اور مختلف لشکر جیساکہ اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکا ہے متفرق جنگی افسروں کی ماتحتی میں۔ اس کے مقابلہ میں روانہ کیئے۔ مگر یہ سب کے سب بابک سے شکست کھا کر بغداد میں واپس آئے۔ ۲۱۲ھ ہجری میں مامون نے ازسر نو محمد ابن حمید کو ایک گرانبار لشکر کے ساتھ پھر بابک کی مہم پر تعینات کیا۔ چنانچہ محمد کامل ایک برس تک بابک کے ساتھ اُلجھا رہا۔ آخرکار اسی کشمکش میں بابک کے طرفداروں نے محمد کو قتل کر ڈالا۔ اُس کے مارے جانے کے بعد اُس کی ہمراہی فوج بغداد کو واپس آئی۔

مامون کو محمد ابن حمید کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ اُس کی نظر میں طاہر ذوالیمینین کے سوا کوئی دوسرا شخص بابک کے مقابلہ کے لئے موزوں نہیں تھا۔ اس لیے اُس نے طاہر کو مصر کی امارت سے عارضیاً بلا کر بابک کی مہم پر روانہ کیا۔ مگر ذوالیمینین کے دست و بازو سے بھی کوئی کشود کار نہوئی۔ ذوالیمینین جو ہیں بابک کے مقام بغاوت سے قریب پہنچا۔ اُسکو یکایک خراسان میں اپنے بھائی کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی۔ اور وہ اُسکی وفات کے باعث اپنے امور خانگی میں مختلف قسم کے حرج اور خلل واقع ہونے کا یقین کر کے فوراً خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اور بابک کے معاملات ابکی بار بھی ویسے کے ویسے ہی رہگئے۔ بلکہ صاحب روضۃ الصفا کے اسناد کے مطابق تو اُس کے کاموں میں طاہر کی واپسی سے اور استحکام اور قوت آگئی۔ اور بابک ہر طرف سے آزاد اور مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اُس دیار و امصار کا تاجدار اور مامون کا ہم پلہ اور ہموزن سمجھنے لگا۔ مامون نے بھی طاہر کی واپسی کی خبر پا کر بابک کی طرف سے ایک بارگی ایسا سناٹا کھینچا کہ پھر مرتے دم تک اس کا نام بھی نہ لیا۔

بہرحال۔ مامون کے وقت تک بابک کے تمام حالات ویسے کے ویسے ہی بنے رہے۔ بابک نے مامون کے بعد معتصم کے زمانۂ حکومت میں جرأت کر کے اپنے ہاتھ پاؤں پہلے سے بھی زیادہ پھیلا دیئے۔ اور اصفہان و ہمدان۔ دو اور علاقوں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ اور معتصم کے انتظام اور حکم و احکام کو ان دونوں علاقوں سے اُٹھا دیا۔ معتصم کو اسکی خبر لگی تو وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ اُس نے حیدر ابن کاؤس کو جو ماوراءالنہر کے امیرزادوں میں تھا۔ اور جسے خود معتصم نے پالا تھا۔ اور اُسکا نام افشین رکھا تھا چالیس ہزار فوج جرار

کے ساتھ بابک کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ افشین نے ایک مدت تک اُس کے ساتھ مقابلہ کر کے آخر کار اُس کو ہزیمت پہنچائی۔ اور بابک اُس سے کامل شکست کھا کر ممالک آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام اور معتصم

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مامون کے وقت ہی میں۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بغداد سے امّ الفضل کو لیکر مدینہ چلے آئے تھے۔ اگرچہ ام الفضل کو آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے دو تین برس گزر چکے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کسی وقت میں وہ آپ کے لئے خیر خواہ۔ ہمدرد اور آرام دہ ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ ان امور کے خلاف وہ ہمیشہ آپکی بُرائی کی خواہاں اور آپ کے معائب اور مناقص کی جویاں رہتی تھی۔

یہ امور کچھ قیام مدینہ ہی پر منحصر نہیں تھے۔ بلکہ بغداد کی سکونت کے وقت بھی وہ اِسی طرح آپ کے درپئے آزار بنی رہتی تھی۔ اور اپنی طرف سے جھوٹ اور غلط الزام آپ کی ذات ستودہ آیات پر لگایا کرتی تھی۔ ہم پہلے موجودہ سلسلۂ بیان میں بغداد کے واقعات بیان کرینگے۔ اور اس کے بعد مدینہ کے حالات بالترتیب مندرج کرینگے۔

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ جناب حکیمہ خاتونؓ دختر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اسناد سے امّ الفضل کی خاص زبانی نقل کرتے ہیں کہ میرے بھائی جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد۔ اُن کی زوجہ ام الفضل نے گریہ وزاری کر کے اُن حضرت کے بہت سے اوصاف بیان کئے۔ اور کہا کہ اے عمہ اگر آپ کہیں تو اس وقت آپ سے ایک ایسی عجیب وغریب نقل بیان کروں کہ آج تک آپ نے ویسی کبھی نہ سُنی ہو میں نے کہا۔ ہاں بیان کرو۔

امّ الفضل نے بیان کیا کہ میں ایک روز اپنے محل میں بیٹھی تھی کہ یکایک میری نظر ایک خوبصورت اور خوش گفتار عورت پر پڑی۔ جو ابھی ابھی آکر میرے پاس کھڑی ہوئی تھی میں نے اُس سے پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے کہا کہ میں جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں۔ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔

میں نے اُس کے سامنے تو ضبط کیا۔ مگر یہ سُنکر کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ ہوں میرے پیروں سے لگ گئی۔ جب وہ چلی گئیں تو مُنہ لپیٹے میں دیر تک اسی کوفت میں پڑی رہی

نصف شب سے جب رات زیادہ گیٔ تو میں گریہ و نالاں اپنے باپ مامون کے پاس گیٔ۔ اور وہ اس وقت شراب کے نشہ میں بدمست پڑا تھا۔ جب میں اُس کے پاس پہنچی تو میں نے اس سے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی شکایت شروع کردی۔ اور اپنے سلسلۂ تقریر میں یہاں تک اُس سے کہدیا کہ وہ میرے مقابل اور ازواج سے اختلاط فرماتے ہیں۔ اور میں جب ان امور کی شکایت اُن کی خدمت میں کرتی ہوں تو وہ مجھے۔ اور آپ کو۔ اور آپ کے باپ کو اور تمامی آباؤ اجداد کو کلمات ناسزا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہتے ہیں۔

مامون۔ ایک تو یوہیں حالت نشہ میں تھا۔ اُسپر میرے یہ کلام سنکر اُس کے بدن میں اور آگ لگ گیٔ۔ اور فوراً اُٹھا اور شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیکر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی محلسرا کی طرف روانہ ہوا۔ یہ دیکھکر چند خادم اُس کے ہمراہ ہولئے۔ جب وہ آپ کی خوابگاہ کے قریب جا پہنچا تو اُس نے آپ کو فرش خواب پر سوتا پایا۔ عالم نشہ میں مامون کچھ ایسا بیخود اور مبہوت ہو رہا تھا کہ اُس نے آپ کو خواب راحت سے جگایا بھی نہیں۔ بلکہ فوراً تلوار کھینچکر آپ کو مارنے لگا۔ اور اپنے حسابوں آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور پھر اُسی طرح اپنے مقام کو واپس آیا۔

میں نے جب حقیقت حال سُنی تو مجھ کو اپنی اس ناہنجار حرکت پر سخت ندامت ہوئی اور مجھ کو اسقدر رنج و ملال لاحق حال ہوا کہ میں اپنے ہاتھوں سے آپ اپنے مُنہ پر طمانچے مارنے لگی۔ جب صبح ہوئی تو یاسر خادم نے میرے باپ سے کہا کہ آپ سے رات کو نشہ کے عالم میں ایک ایسی حرکت ہوئی ہے جسکی تلافی کی عمر بھر کوئی سبیل ممکن نہیں ہو سکتی۔

مامون اس وقت اپنے حواسوں میں تھا۔ اور اُس کو رات کی سرگزشت کا کوئی علم نہیں تھا۔ یاسر کا یہ بیان سُنکر تعجب سے کہنے لگا کہ میں نے کیا کیا۔ مجھے تو کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ یاسر نے جواب دیا کہ رات کو امّ الفضل کے کہنے سے آپ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

یہ سُننا تھا کہ مامون کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور وہ پریشان و پشیمان ہوکر اپنا مُنہ آپ پیٹنے لگا۔ جب اُس کے موجودہ اضطراب میں کسی قدر سکون آیا۔ تو اُس نے یاسر کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خلوت سرا میں دریافت احوال کی غرض سے بھیجا۔ وہ آپ کے پہنچا تو دیکھا کہ آپ حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے مسواک کر رہے ہیں۔ یاسر نے سلام کیا۔ آپ نے اُس کو متبسّم ہوکر

سلام کا جواب دیا۔
اس کے بعد یاسر نے عرض کی کہ اسوقت مجھے خدمت مبارک میں کچھ گزارش کرنی ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔ ارشاد ہوا۔ ہاں اجازت ہے۔ مگر اتنا توقف کرو کہ میں نماز پڑھ لوں۔ یہ فرماکر آپ نماز میں مشغول ہوگئے۔
آپ ادھر نماز میں مصروف ہوئے۔ اُدھر یاسر دوڑتا ہوا مامون کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ اے امیر آپ کو مبارک ہو۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بحمد اللہ تعالےٰ صحیح و سلامت ہیں۔ اور اُنہیں کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔ اس وقت میں اُنہیں نماز میں مصروف چھوڑ کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مامون نے یہ سنکر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اُسی وقت ایک ہزار درہم یاسر کو عنایت کئے۔ اور حکم دیا کہ بیس ہزار درہم جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں میری طرف سے پیشکش کئے جائیں۔ چنانچہ یاسر خادم یہ شاہی ہدیہ لیکر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز سے اتنے میں فارغ ہو چکے تھے۔ یاسر نے چاہا کہ آپ کے جسم مبارک کو دیکھے۔ کہ اُن زخموں کے نشان بھی ہیں یا نہیں۔ اس حیلہ سے یاسر نے آپکی خدمت میں عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ یہ پیراہن جو اس وقت آپ پہنے ہیں اُتار کر مجھے عنایت فرمایا جاوے کہ میں اسے اپنے کفن کے لئے رکھ چھوڑوں چنانچہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنا پیراہن مبارک اُتار کر اُسی وقت مجھے دیدیا۔ اور فرمایا جو تو نے کہا ہے۔ وہی شرط ہے۔
یاسر نے کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اس فعل سے مامون کو ذرا خبر نہیں۔ بلکہ وہ تو خود نادم اور پشیمان ہے۔ یاسر کا بیان ہے کہ اسی اثناء میں میں نے آپ کے جسم اطہر کی طرف دیکھا تو آپ کے جسم نورانی پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں پایا۔ میں آپ کی خدمت سے لوٹا تو مامون سے سارا ماجرا کہدیا۔ یہ سُنکر مامون نے وہ گھوڑا جس پر سوار ہوکر اُسی رات کو سفر سے آیا تھا۔ اور وہ تلوار جو ہمیشہ اُسکی خاص کمر سے لگی رہتی تھی۔ اور عام اصطلاح میں شمشیر خلافت کہی جاتی تھی۔ ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت میں اُسی وقت بھجوا دی۔
امّ الفضل کا بیان ہے کہ پھر میرے باپ مامون نے اُسی وقت میرے پاس کہلا بھیجا کہ اب آج سے اگر میں نے تجھ سے کوئی کلام جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے خلاف کہتے ہوئے سُنا تو یاد رکھنا۔ میں پھر عمر بھر تیرا مُنہ نہ دیکھونگا۔

اس کے بعد وہ اپنی حرکات کی معافی اور مظالم کی تلافی کے لئے خود خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کی تمام عذر و معذرت کے جواب میں صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ تم شراب نہ پیا کرو۔ مامون نے اُسی وقت آپ کے مقابلہ میں شرابخواری سے توبہ کی جلاء العیون ص ۱۱۵
اس واقعہ کو پڑھکر جس کی ناقل خود ام الفضل ہے معلوم ہو گیا کہ اُسکو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ محبت و الفت کی جگہ سخت مخالفت اور عداوت تھی۔ اُس کی شکایت اور اتہام کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی۔ اور اس کے بعد بھی۔ مختلف موقعوں پر مامون کے پاس آپ کی نسبت ایسی ہی جھوٹی شکایتیں کی ہیں۔ اور انواع و اقسام کے الزام و اتہام آپ کی ذات ستودہ صفات پر لگائے ہیں۔
یہ تو بغداد کے قیام کے زمانہ کے خاص الزام تھے جو ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ذات پر لگائے۔ اب مدینۂ منورہ میں پہنچکر بھی جو اتہام اور تہمت اُس نے آپ پر لگائی وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ چنانچہ صاحب صواعق محرقہ لکھتے ہیں۔
ثم توجه بها الی المدینة فارسلت تشتکی منه لابیها انه تسری علیها فارسل الیها ابوها انالم تزوجك له لنحرم علیه حلالا فلا تعودی بمثله۔
حضرت امام محمد تقی علیہ السلام۔ امّ الفضل کو لیکر مدینہ پہنچے تو وہاں سے ام الفضل نے اپنے باپ مامون کو لکھ بھیجا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کنیزوں کے ساتھ خلا ملا رکھتے ہیں۔ مامون نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں نے تیرا نکاح اُن سے اس لئے نہیں کیا ہے کہ تو اُن پر خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کردے۔ پھر ایسی باتیں ہرگز نہ کیجیو۔
بہر حال۔ ان واقعات سے ام الفضل کی شریر اور مفسد طبیعت کا انداز پورے طور سے ملگیا تو مامون نے پھر اُس وقت سے اُس کی کسی بات پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔

امّ الفضل کی مخالفت کی وجہیں

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی معاشرت کا زمانہ کسی طرح آپ کے لئے راحت بخش اور تسکین دہ نہیں تھا۔ آپ کی شانزدہ سالہ معاشرت کے تمام و کمال زمانہ میں کبھی کسی موقع پر۔ ام الفضل نے آپ کے ساتھ باہمانہ محبت و الفت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ برعکس اس کے مادام الحیات اُسکی طرف سے آپ مخالفت اور مخاصمت ثابت ہوتی گئی۔
ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے جو مخالفت تھی اُسکی خاصکر دو وجہیں پائی

جاتی ہیں۔ ایک تو فطرتاً اُسکو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی والدۂ مقدسہ کے ساتھ نکاح کرنا نہایت سخت گزرا تھا۔ دوسری یہ کہ اُس کو اکثر اوقات اپنی امارت اور شاہزادی ہونے کی مفاخرت بھی حد سے زیادہ مغرور اور سرکش بنائے تھی۔ یہ خیال تو اُس کا ذاتی تھا۔ اور کچھ حضرات عباسیہ کی اشتعال مخالفانہ تھی۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مخصوص عداوت اور مخالفت کی بنا پر اُس کو دی گئی تھی۔

مدینہ منورہ کا قیام اور آپ کے مشاغل

بہرحال۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے مامون کی اس مجنونانہ حرکت کے بعد اپنے امور کے متعلق سوچا کہ بغداد کے آیندہ قیام سے ممکن ہے کہ ام الفضل کی مخالفانہ تحریک اور معاندانہ اشتعال کی بنا پر مامون ہماری ہلاکت کا درپے ہو۔ اور اتفاق سے کوئی وقت بھی ایسا ہی آ سکے کہ وہ میری سیاست کو ضروری اور واجب التعمیل سمجھکر میری معافی اور واگزاشت کا قصد نہ کرے تو پھر ولا تلقوا ایکم فی التھلکۃ کے خلاف تعمیل واقع ہوگی۔ اور پھر ایسی حالت میں کوئی تدبیر مفید اور کارگر نہوگی۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے یہ مصمم ارادہ کر کے مراجعت مدینہ کی مامون سے خود درخواست فرمائی۔ اور اُس نے بھی کوئی وجہ آپ کے روک رکھنے کی نہ دیکھکر آپ کو بطیب خاطر ام الفضل کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ آپ کا یہ سفر سنہ ۲۱۲ ہجری میں واقع ہوا۔ اس حساب سے آپ کوئی آٹھ برس تک مامون کے پاس دار الخلافت بغداد میں قیام فرما رہے۔ بغداد کے قیام کے تمام زمانے میں بھی آپ کے وہی مشاغل تھے جو آپ کے آبائے کرام علیہم السلام کے پائے جاتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے منصور۔ مہدی اور ہادی کے ایام میں بغداد کے قیام کی مدت جن مشاغل میں صرف فرمائی۔ انہیں مشاغل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی آٹھ برس تمام کئے۔ اس زمانہ میں آپ کے اشغال تعلیم و ارشاد کے سوا اور کچھ پائے نہیں جاتے۔ اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی جماعت تحصیل علوم اور دریافت مسائل کی غرض سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کرتی تھی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی کمال الطاف و اشفاق سے اُن کو اپنے فیضان ارشاد و ہدایت سے مستفید و مستفیض فرمایا کرتے تھے۔ یہی کیفیت تمام تحقیق طلب حضرات کی ساتھ

تھی جس شخص کو جس امر کی حقیقت دریافت کرنی ہوئی۔ یا جس کو جس مسئلۂ شرعیہ کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہوا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے مسائل کا خاطر خواہ جواب پاکر فائز المرام اپنے مقام کو واپس ہوا۔ عام مرجوعہ کی آخر کار یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ بقول ملّا مجلسی علیہ الرحمۃ والغفران۔ ایک مجلس میں تیس یا تیس ہزار مسئلے آپ سے پوچھے گئے۔ اور آپ نے ان دشواریوں کو کچھ نہ سمجھا۔ اور باستقلال حواس واستحکام واطمینان تمام۔ ان مسائل کے خاطر خواہ اور کافی جواب عنایت فرمائے وھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

فرقۂ واقفیہ کی رجوع

آپ کے موجودہ زمانۂ قیام کی بہت بڑی یادگار جو تاریخ وسیر کی تمام کتابوں میں آج تک محفوظ پائی جاتی ہے۔ وہ فرقۂ شیعہ کے اُس گروہ کی بار دیگر رجوع ہے۔ جو بوجہ کمسنی کے آپ کی امامت میں مشکوک تھے۔ ان لوگوں کی مفصل کیفیت اوپر لکھی گئی ہے حقیقت میں یہ لوگ فرقۂ واقفیہ کے متعلق تھے۔ جو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو ایک عرصہ تک لاولد پاکر پہلے تو آپ ہی کو ناقابل امامت سمجھتے رہے۔ مگر جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے تو پھر اُن کو مجال سخن باقی نہ رہی۔ آخر کار۔ آپ کی کم سنی پر اعتبار کرکے امامت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق ہزاروں اعتراض کرنے لگے۔ غرضکہ اس عقیدۂ فاسدہ کے کثیر التعداد لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے باخود ہا حج کے ایام میں یہ صلاح کی تھی کہ بغداد میں جاکر علوم دینیہ کے متعلق حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا امتحان لیں۔ اگر وہ معیار امتحان پر کامل اُتریں تو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح بیشک امام اور مقتدائے مومنین ہیں۔ اور اگر نہیں۔ تو بیشک ہمارے دعوے صحیح ہیں۔ یہ جماعت کی جماعت مناسک حج سے فارغ ہوکر بغداد میں آئی۔ اور ایک دن خاص اس کے لئے مقرر کرکے صبح سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی۔ اور شام تک مسائل پوچھتی رہی۔ اور علم التفسیر۔ علم الحدیث علم الفقہ اور علم الکلام کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جسکے بارے میں آپ سے کامل طور پر استفسار نہ کیا ہو۔ آپ نے اُنکے تمام سوالوں کے جواب ایسے شافی اور کافی طور پر دئے کہ پھر ایک بار کے سوا دوسری بار کسی کو آپ سے پوچھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوئی۔

جب علوم متداولہ کی تمام شاخیں تمام ہوگئیں۔ اور یہ اپنی بساط کے مطابق حجت الٰہی اور مصدر علوم لامتناہی کی آزمائش کر چکے تو آخر کار ان لوگوں نے آپ کی امامت کے خاص مسئلہ کو پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے اُس کو بھی ایسے دلائل واضح اور براہین ساطع سے بیان فرمایا کہ مُلا مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اُن سب نے آخر کار سب طرف سے معقول ہو کر آپ کی امامت کا اقرار کیا۔ اور اپنے عقائد فاسدہ سے تائب ہو کر مسلک حقہ پر راسخ ہوگئے۔

مدینہ کے قیام میں آپ کے مشاغل

اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ سنہ ۲۱۲ ہجری میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بغداد سے آکر مدینۂ منورہ میں پھر سکونت فرما ہوئے۔ مراجعت فرمانے کے روز سے وفات کے دن تک کل سات برس اور چھ مہینے آپ اور قیام فرما رہے۔ اس زمانہ میں بھی آپ منصب امامت کی خدمات آزادانہ طور پر نہایت اطمینان و فراغت سے انجام دیتے رہے۔ علما و فضلائے مدینہ خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیم وارشاد سے ہمیشہ مستفیض ہوتے رہے۔ اور آپ کے حلقۂ درس اور موعظت میں شریک ہو کر علوم الٰہی اور اسرار لامتناہی کے ایسے نکات اور تحقیقات معلوم کرتے تھے جن کی تحصیل اور تکمیل کی امید بمفاد آیۂ وافی ہدایہ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ سوائے اُس مقدس سلسلہ کے اور کسی خانوادہ سے کرنا قطعی ناممکن ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے کمال علمی اور جامعیت کا شہرہ۔ اور آپ کے ارشاد و ہدایت کا آوازہ باوجود اس کے کہ ایک مدت تک فرقۂ واقفیہ کے لوگ آپکے خلاف کوشش فرماتے رہے کچھ حجاز ہی کی حدود تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ طالبان حق عراق یمن۔ حضرموت۔ الجزائر۔ شام۔ اور مصر تک سے جوق جوق آپ کی خدمت میں کسب علوم کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ کے چشمۂ علم و ہدایت سے سیراب و رکامیاب ہو ہو کر اپنے اپنے مقام کو واپس جاتے اور وہاں پہنچکر آپ کے فضل و کمال کو اپنی ملک اپنی قوم اور قبیلہ میں پھیلاتے تھے۔ اور اس طرح دوسروں کو بھی آپ کی زیارت کا متمنی اور شائق بناتے تھے۔ دوسرے سال وہ سعادتمندان زمانہ بھی اپنے اپنے مقام سے سفر کی تکلیف۔ غربت کی زحمت اُٹھا کر آتے تھے۔ اور زیارت و ہدایت کی سعادت

کو نین حاصل کرتے تھے۔

مدینۂ منورہ سے زیادہ مکۂ معظمہ میں (خصوصاً ایّام حج میں) شائقین مومنین کی کثرت ہوتی تھی۔ اور اکثر حضرات اس موقع خاص پر حاضر خدمت ہو کر اکتساب فیض و رشاد سے مستفیض اور بہرہ اندوز ہوا کرتے تھے۔ ان صحبتوں میں اکثر دو قسم کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک تو وہ جو عقیدت اور ارادت کے اعتبار سے مخلصانہ سوال کرتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو اپنی کوتاہ عقلی اور جہالت کے تقاضہ سے آپ کی استعداد و جامعیت کے امتحان لینے کی غرض سے خدمت بابرکت میں مسائل پر مسائل اور سوال پر سوال پیش کیا کرتے تھے۔ مگر اپنے تمام سوالوں کے کافی اور تشفی بخش جواب پا کر ایسے نادم اور پشیمان ہوتے تھے کہ پھر خدمت بابرکت میں لب کشائی کی آیندہ جرأت نہ کرتے تھے۔

اسمٰعیل ابن ابراہیم اور علی ابن جعفر صادق علیہ السّلام

یہ بزرگوار قرابت میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے چچا ہوتے تھے۔ اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے دادا۔ بہت بڑے صاحب کمال۔ صاحب استعداد اور صاحب سواد تھے۔ اور اس وقت حجاز کے مرکز علمی کا منتہائی نقطہ بنے ہوئے تھے۔ انکا حلقۂ درس بہت وسیع ہوتا تھا۔ اور اُس میں مدینہ کے تمام علما۔ فضلا اور فقہا جمع ہو کر درس لیا کرتے تھے۔ آپ اپنے برادر عالیمرتبت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد سے اس وقت تک مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درس دیا کرتے تھے۔ مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ بلکہ تمام حجاز و یمامہ کے عمائد اور اکابر آپ کو بہت بڑی عظمت اور جلالت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ عمائد و اکابر ہی پر منحصر نہیں۔ ہر شخص انکی تعظیم و تکریم کو اپنا شرف و افتخار سمجھتا تھا۔

بہر حال۔ اسمٰعیل ابن ابراہیم ناقل ہیں کہ ایک دن میں اُن کی صحبت میں موجود تھا کہ اس اثنا میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تشریف لائے۔ علی ابن جعفر علیہ السّلام آپ کو دیکھتے ہی اپنے مقام سے اُٹھے۔ اور دوڑ کر آپ کے دونوں ہاتھوں اور آنکھوں کے بوسے لئے۔ اور بہت بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اور ویسے ہی کھڑے کے کھڑے رہے۔ بالآخر جناب امام محمد تقی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے باپ کے چچا۔ آپ پر

خدا کی رحمت نازل ہو۔ اب آپ زیادہ زحمت نہ فرمائیں۔ فرش پر بیٹھ جائیں۔ علی ابن جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ کھڑے رہیں اور میں سبقت کر کے بیٹھ جاؤں۔

غرض جب تک کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نہ بیٹھ لئے۔ وہ مقدس بزرگ نہ بیٹھا نہ بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام دولتسرا کی طرف تشریف لیگئے۔ تو اسمٰعیل ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ علی ابن جعفر علیہ السلام اپنے مقام کو واپس آئے۔ ان کے بعض احباب نے ان کے اس اعزاز و اکرام کی نسبت اعتراض کیا۔ اور کہا کہ اسوقت تم نے اپنے چھوٹے اور صغیر السن بچے کی اتنی تعظیم و تکریم کی۔ حالانکہ تم رشتہ اور قرابت میں ان صاحبزادے کے باپ کے چچا ہوتے ہو۔

یہ سُنکر علی ابن جعفر علیہ السلام کو سخت جلال آیا۔ اور اُنہوں نے اُن لوگوں کو ڈانٹ کر کہا۔ کیا فضول بکتے ہو۔ چپ رہو۔ یہ کہکر اپنی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ سے تھام لی۔ اور ارشاد کیا کہ پھر اس کو کیا کروں کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے اس محاسن سفید کو اس مرتبہ اور عظمت کے قابل ہی نہ سمجھا جس قدر اور مرتبہ کے لائق یہ جوان ہے۔ اور اُس کو خدا نے ایسے مقام پر پہنچایا ہے جو علم امامت کے لئے مخصوص ہے۔ پس میں اپنے خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس امر کے لئے کہ میں اس جوان کی فضیلت کا انکار کروں۔ بلکہ میں تو اُس کا غلام ہوں۔

اسی ایک واقعہ سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ذاتی وجاہت، فضیلت اور عظمت کے کافی ثبوت پہنچتے ہیں۔ علی ابن جعفر علیہ السلام کوئی معمولی بزرگ نہیں تھے سن و سال کے اعتبار سے سادات میں وہ سب سے زیادہ بزرگ اور کبیر السن تھے۔ اور تمامی علما و فقہائے مدینہ کے سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز۔ اپنے برادر معظم حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بلا واسطہ حدیثیں بیان کرتے تھے۔ خوش قسمت ایسے کہ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لیکر جناب امام محمد تقی علیہ السلام تک چار اماموں کا زمانہ دیکھا۔ اور چار معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانۂ امامت سے تعلیم حدیث پر مامور و ماذون تھے۔ اُنکی موجودہ تعلیم و تدریس کا حلقہ ایسا وسیع تھا کہ ہر شخص اُن کے خرمن علم

کا خوشہ چین تھا۔ اور اُن کے خوان نعمت کا ذلہ رُبا۔ جب انکے ایسے جامع الصفات اور کامل الشرائط بزرگ کی بیمقداری اور عجز کی حالت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے کمال اور جامعیت کے مقابلہ میں یہ ہو تو عام لوگوں کی بے حقیقتی اور ہیچمیرزی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

معتصم اور حضرت امام محمدؑ تقی علیہ السّلام کی مخالفت

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے مدینۂ منوّرہ کے ہشت سالہ قیام کا زمانہ انہیں مشاغل میں صرف فرمایا۔ اس زمانہ میں جب تک مامون زندہ رہا۔ نہ وہ آپ کے احوال سے پرساں ہوا اور نہ اُس کے بعد سات برس تک معتصم نے آپ کے متعلق کوئی تلاش کی۔ مگر ہاں۔ ام الفضل کو محبت و الفت کے عوض آپ کے ساتھ ایسی ہی مخاصمت اور مخالفت ہوگئی تھی جو کسی طرح آپ کا دامن نہیں چھوڑتی تھی۔ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی والدۂ مقدسہ کی جانب سے اُس کے دل میں ایسی ہی خلش اور جلن تھی کہ وہ اسکی کینہ پرور طبیعت سے کسی طرح باہر نہیں نکلتی تھی۔ چنانچہ وہ مدینۂ منوّرہ کے قیام میں بھی اپنے اس خاص انداز کو نہ بھول سکی۔ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے ہمیشہ پہلو کا خار اور باعث آزار ہی کی بنی رہی۔ مامون کے زمانۂ حیات ہی میں مدینۂ منوّرہ سے ایک بہت بڑا طول و طویل خط آپ کی لمبی چوڑی شکایت میں لکھ بھیجا۔ مامون چونکہ ایک مرتبہ اُس کی جھوٹی تہمت اور صریح افترا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھکر سخت نادم اور پشیمان ہو چکا تھا۔ اور وہ اُسی وقت سے اُس کی فطرتی پرخاش سے خوب آگاہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اُسنے صاحبزادی کا خط پڑھتے ہی اُس کے مقصودِ دلی کو پورے طور سے سمجھ لیا اور فوراً اُس کے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے تم کو اُن کے عقد میں اس لئے نہیں دیا ہے کہ تم اُن پر خدا کی حلال فرمودہ چیزوں کو اور مباح نعمتوں کو حرام کر دو۔

مامون کے اس جواب نے امّ الفضل کا مُنہ توڑ دیا۔ پھر وہ جب تک زندہ رہا۔ صاحبزادی کو آیندہ کسی خلاف تحریک کی جرأت نہ ہو سکی۔ دو برس کے بعد مامون مرگیا۔ اور چھ برس تک معتصم اُس کے بعد حکومت کرتا رہا۔ اس عرصہ میں ام الفضل نے چچا کو بھی باپ کی طرح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی نسبت انواع و اقسام کی شکایتیں لکھ بھیجیں۔

پہلے تو معتصم نے ام الفضل کی تحریر و تحریک پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ مگر جب اُس کی لگاتار اور متواتر اس مضمون کی تحریر نے اُس کو عاجز کر دیا کہ اگر آپ کو میرے لکھنے پر اعتبار نہ ہو تو میرے ساتھ اُنہیں بھی بُلوا کر اُن تمام باتوں کو جو میں نے اُن کے متعلق لکھی ہیں براہ العین مشاہدہ کر لیجئے۔ تو آخر کار معتصم نے ۲۲۴ھ ہجری میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنے پاس بُلا بھیجا۔ اور عبد الملک موجودہ حاکم مدینہ کو آپ کی روانگی کے لئے خاص طور پر تاکید کی۔ اُسکے ظالمانہ اور جابرانہ اصرار نے آپ کو اور بھی مجبور کر دیا۔

عبد الملک کی اس خاص مخالفت اور مخاصمت کی وجہ۔ حکم حاکم ہونے کے علاوہ سب سے بڑی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس وقت مدینہ کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عظمت و جلالت کے مقابلہ میں۔ عبد الملک کی قدر و منزلت کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے اُس نے اچھی طرح یقین کر لیا تھا کہ آپ کی موجودگی اور قیام کے زمانہ تک۔ مدینہ میں تو یہ دن مجھے کبھی نصیب ہونے والے نہیں۔ انہیں وجوں سے وہ معتصم کے حکم کے علاوہ خود بھی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا مدینہ میں رہنا کسی طرح پسند نہیں کرتا تھا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور دربار بغداد میں داخلہ

جناب امام محمد تقی علیہ السلام ہر طرف سے مجبور ہو کر بغداد کی طرف تشریف لے گئے۔ اور جناب امام علی نقی علیہ السلام اور اُن کی والدۂ ماجدہ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ گئے۔ بہر حال۔ جب آپ مدینہ سے بغداد میں پہنچے تو معتصم نے آپ کے اکرام اور خاطر داری کے اہتمام میں اپنی ظاہر داری کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور اپنے اس طریقہ میں اُسنے مامون کے قدیم طریقہ پر قدم بقدم چلنا مصلحت سمجھا۔

علامہ ابن ابی داؤد اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو ابھی بغداد میں تشریف لائے پورا سال بھر بھی نہیں ہوا تھا کہ معتصم آپ کی ہلاکت و استیصال پر آمادہ اور مستعد ہو گیا۔ اُس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ عیاشی رحمۃ اللہ علیہ نے زرقان کے اسناد سے لکھا ہے کہ ایک روز علامہ ابن ابی داؤد معتصم کے دربار سے نہایت ملول و محزون اپنے گھر واپس آئے۔ اور بیان کرنے لگے کہ آج حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے صاحبزادے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے سامنے

میں ایسا ذلیل و خوار ہوا کہ مجھے کسی کو اپنا منہ دکھلانا اب اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ واقعہ یوں گزرا کہ ایک مرد سارق کو خلیفہ کے پاس لائے۔ امیر نے حکم دیا کہ اسکا ہاتھ کاٹا جاوے مجھسے استفسار کیا گیا۔ تو میں نے کہا شرع کی معمولی حُدود کے مطابق کہنی کے پاس سے اس کے ہاتھ کاٹنے چاہئیں۔ یہ سُنکر معتصم نے مجھ سے دلیل طلب کی۔ میں نے جو جانتا تھا اُس کی خدمت میں عرض کر دیا۔ مگر اُسکی خاطر خواہ تشفی اور اطمینان نہیں ہوا۔ تو اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مخاطب کر کے عرض کی کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ حاضرین نے حکم دیا ہے وہ تو امیر کو معلوم ہی ہو چکا ہے پھر بار دیگر مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ معتصم نے کہا کہ آپ کو غیروں کے حکم سے کیا واسطہ۔ آپ کے نزدیک جو اسکا حکم ثابت ہو۔ وہ ارشاد ہو۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے نہایت منت و آرزو سے فرمایا کہ مجھ کو اس مسئلہ کے جواب سے معاف رکھا جاوے تو بہتر ہوگا۔ مگر معتصم نے کسی طرح نہ مانا۔ اور اصرار پر اصرار کیا۔ کہ آپ اس مسئلہ کے حکم سے ضرور مطلع فرمائیں۔ آخر کار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی صرف اُنگلیاں کاٹ ڈالی جائیں اور دونوں ہاتھوں کے کف دست چھوڑ دیئے جائیں۔ تاکہ وہ فرائض الٰہی کی ادا کاری سے مجبور نہ رہے۔ اور پھر اس پر اپنی طرف سے ایسی قوی اور مستحکم دلائل بیان فرمائیں کہ میں (ابو داؤد) اور میرے برابر والے تمام علما اور فضلا، جو اُس وقت خلیفہ معتصم کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ دم بخود ہو گئے اور مجھپر تو خاصکر ایسی حیا و ندامت طاری ہوئی کہ میں اُسکو کسی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اُس وقت یہ تمنا کی کہ اگر میں اس واقعہ سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا تو بہت بہتر ہوتا کہ میں آج کے دن اور آج کے دن کی ندامت کو نہ دیکھتا۔

زرقان کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے تین روز تک ابن ابی داؤد مارے شرم و حیا کے اپنے گھر سے باہر نہ نکلا۔ جب تین دن گزر چکے تو خلیفہ معتصم کے پاس خلوت میں گیا۔ اور بصد الحاح وزاری اُس سے عرض کی کہ ہر حال میں خلیفہ کی خیر خواہی مجھپر لازم اور واجب ہے اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اُس مرد سارق کے اجرائے حدود کے بارے میں قبل اس کے جو کچھ واقع ہوا۔ وہ دولت خلیفہ کے لئے ہرگز شایان اور مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خلیفہ نے وہ مسئلہ جسے وہ خود نہ جانتا تھا اُسے اُپنے علماء فضلاء۔ امراء اور وزراء سے دریافت

کیا۔ اور اُن تمام لوگوں نے بقدر دانست اپنے جواب دیا۔ پھر خلیفۂ عصر نے۔ اُس شخص سے جس کو آدھے اہل علم اپنا امام اور پیشوا جانتے ہیں۔ دریافت کیا۔ اور اُس نے برخلاف علمائ فتوے دیا۔ اور خلیفۂ عصر نے بھی سب عالموں کے فتوے کو ترک کرکے اُسی کے فتوے پر عمل کیا۔ اور یہ خبر تمام لوگوں کو معلوم ہوئی۔ جس کی وجہ سے اُس کے دوستوں اور شیعوں کو حجت قوی ہاتھ لگی۔

ابن داؤد کا فقرہ چل گیا۔ اور معتصم بھی اپنی اصلی فطرت پر آ گیا۔ ابن ابی داؤد کی خوشامدانہ تقریر سُنکر اُسکو بھی اپنی بادشاہی کی غیرت آ ہی گئی۔ وہ اپنے اس طرز عمل سے سخت نادم اور پشیمان ہوا۔ اور اُسی وقت سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مخالفت اُس کے دل میں جاگزین ہو گئی۔ اور کیونکر نہوتی۔ کیونکہ جس ضرورت نے معتصم کو اس وقت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ہلاکت پر یکایک آمادہ کر دیا تھا وہ حقیقت میں وہی قدیم ضرورتیں تھیں جنہوں نے معتصم کے آبا و اجداد کو بھی ان حضرات معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے قتل و ہلاکت پر تیار اور مستعد کر دیا تھا۔

وہ کون وجہ تھی؟ صرف یہی کہ وہ اپنے فروغ دادہ اور قبول کردہ طریقہ اور اُس کے احکام پر عام اس سے کہ وہ کیسے ہی ضعیف اور مقطوع الاسناد نہوں۔ کسی دوسرے طریقہ اور اُس کے احکام کو اُسپر ترجیح دینا بھی خلاف مصلحت مُلکی سمجھتے تھے۔ اور مصلحت مُلکی کے خلاف کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی قدیم دستور اور اصول کے مطابق معتصم نے بھی اپنے ہمعصر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی ہلاکت اور استیصال کے سامان کئے اور آپکے وجود ذیجود کو اپنے حفظان سلطنت کے خلاف سمجھکر بہت جلد آپکے معاملات کو خاتمہ تک پہنچا دینے کی بھرپور کوشش کی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات

معتصم کی ان عملی ترکیبوں کی عموماً دو صورتیں بتلائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ شربت سم آلود کے ذریعہ سے مسموم کئے گئے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے کھانے میں زہر ملایا گیا۔ شربت سم آلود کے معاملہ میں ام الفضل کو اصل ذریعہ بتلایا جاتا ہے۔ اور ایک دوسری روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ معتصم نے اس شربت سم آلود کے پلائے جانیکا بندوبست ام الفضل کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اپنے خاص ملازمین کی معرفت کیا تھا۔ ملا مجلسی علیہ الرحمۃ

والغفران نے ان تمام اسباب کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اُنہیں کی ترتیب کو اپنے سلسلۂ بیان میں بھی مندرج کرتے ہیں۔

عُلمائے مرحوم عیون المعجزات کے اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینۂ منورہ سے بغداد میں تشریف لائے تو معتصم نے امّ الفضل کو آپ کا پورا مخالف اور جان کا دشمن پاکر اُس کو آپ کے قتل پر راضی کر لیا۔ معتصم کی تجویز و ہدایت کے مطابق امّ الفضل نے ایک دن آپ کو انگور رزاقی میں زہر ہلاہل آمیز کر کے کھلا دئے۔ اُس سم قاتل کا اثر فوراً آپ کے جسم مبارک پر ظاہر ہوا۔ اور اُسی کے صدمہ سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔

دوسری روایت شربت سم آلود کی یوں ہے کہ معتصم نے شربت حماض میں زہر قاتل آمیختہ کر کے اپنے خاص غلام اشناس نامی کی معرفت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجدیا۔ اُس خادم نے خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ معتصم نے یہ شربت بھیجا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ شربت مجھے بھی کسی نے تحفہ کے طور پر بھیجا ہے۔ جس میں سے میں نے اپنی خواہش کے مطابق تو خود پی لیا۔ اور آپ کو آپ کا حصہ بھیجے دیتا ہوں۔ کہ آپ اسے برف میں ٹھنڈا کر کے پی لیں۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا رکھدو۔ میں مغرب کے وقت اسے پی لونگا۔ مگر اُس خادم نے معتصم کا کچھ ایسا اصرار ظاہر کیا کہ آخر کار رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہٖ فرماکر وہ شربت جو حقیقت میں جام ہلاکت تھا اُسی وقت پی لیا۔ اور اُسی وقت آپ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اور آخر کار اُسی زہر ہلاہل سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

طعام مسموم کھائے جانے کی کیفیّت یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب علّامہ ابن ابی داؤد کی مخالفانہ تحریک سے معتصم آپ کے قتل پر آمادہ ہوا تو اُس نے اپنے وزیر کے ایک محرر کو طلب کر کے کہا کہ تم حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کو اپنے گھر میں دعوت کے بہانہ سے طلب کر کے اُن کو کھانے میں زہر کھلا دو۔ وہ مہمان کُش بدبخت اس شقاوت پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کو دعوت کے حیلہ سے اپنے گھر بُلایا۔ جناب امام محمد تقی علیہ السّلام نے ہر چند عذر کیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کی صحبت میں نہایت

کم آتا جاتا ہوں۔ مگر اُن لوگوں نے آپ کے انکار کو نہ مانا۔ اور اصرار پر اصرار کیا۔ اور عرض کی آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ کوئی امر آپ کے مزاج کے خلاف نہیں ہوگا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے اُس مہمان کُش میزبان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور اُس بدبخت نے انواع اقسام کے کھانے آپ کے سامنے رکھدیئے۔ آپ نے جو ہیں ایک لقمہ اُس میں سے اُٹھا کر تناول فرمایا تھا کہ گلوئے مبارک سے اُسکے فرو ہوتے ہی اُس زہر ہلاہل کا اثر آپ کو پورے طور سے محسوس ہونے لگا۔ آپ فوراً وہاں سے اُٹھے۔ وہ مہمان کُش میزبان آپکی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ تھوڑا سا اور تناول فرما لیا جاوے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو کچھ کہ تم نے اس وقت میرے ساتھ کیا ہے۔ اُس کا خلاصہ مدعا یہ تھا کہ میں آج سے پھر کبھی تمہارے مکان پر نہ آسکوں۔ یہ فرما کر آپ باہر نکل آئے۔ اور دولت سرا کی طرف واپس ہوئے۔ باقی دن رات۔ آپ نے اُس زہر قاتل کی تاثیر سے سخت بےچینی اور تکلیف میں بسر کئے۔ دوسرے دن صبح کو روح مبارک اعلےٰ علیین قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنّا للّٰہ وَاِنّا اِلیہ راجعون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب بصائر الدرجات سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی مدینہ کی زراعت میں ایک مرد متدین کو اپنا شریک کر لیا تھا۔ اور بغداد کی روانگی کے وقت اپنے خانگی امور کی حفاظت اور دیکھ بھال اُسی کے متعلق کر دی تھی۔ یہ شخص بیان کرتا ہی کہ میں معمول سے ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ کے سامنے اُس وقت ایک لوح رکھی ہوئی تھی۔ اور آپ اُسے پڑھ رہے تھے۔ ناگاہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی حالت تغیر ہوئی۔ اور آپ فوراً اُٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ کے اندر جاتے ہی دولت سرا سے شیون وزاری کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے۔ میں نے گھبرا کر آپ سے دریافت کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے ابھی ابھی رحلت پائی۔ میں نے عرض کی کہ آپ کو اس واقعہ جانگزا کی۔ اور پھر اتنے جلد کیسے خبر ہو گئی۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہٗ تعالےٰ کی قدرت و حکمت سے ایک ایسی حالت مجھ پر طاری ہوئی کہ میں نے یقین کر لیا کہ میرے پدر عالیمقدار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ اور منصب امامت مجھے تفویض ہوا۔

اس کے بعد آپ بقوت اعجاز طی الارض۔ اُسی وقت مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے گئے۔ اور اپنے پدر بزرگوار علیہ السلام کی آخری خدمات انجام دیکر۔ اُن کی لاش مطہر کو مقابر قریش میں اُن کے جد بزرگوار حضرت سید امام موسی الکاظم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون فرمایا۔ یہ قبۂ مبارک اور یہ عتبۂ مقدس آج تک اسی رعایت سے کاظمین شریفین کے معزز لقب سے تمام اسلامی دنیا میں یادگار ہے۔ جس کے متعلق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں امام شافعی کا یہ قول لکھتے ہیں۔ کہ یہ قبۂ مطہر اور مرقد منور اجابت دعا اور انجاح مدعا کی ضرورتوں کے لئے اکسیر اعظم اور رباب الحوائج عالم ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت بروایتے پانچویں ذیقعدہ ۲۲۰ھ ہجری میں واقع ہوئی اور بقولے چھٹی ذی الحجہ ۲۲۰ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے آخروالی روایت پر اعتبار کیا ہے۔

بہر حال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے اصل واقعہ میں تو کسی کو اختلاف نہیں فریقین آپ کا مسموم کیا جانا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہاں اُسکی عملی ترکیبوں میں البتہ اختلاف ہے۔ بعض شربت سم آلود کو آپ کی شہادت کا باعث بتلاتے ہیں اور بعض طعام زہر آمیز کو۔ بہر حال۔ ان مختلف تدبیروں سے۔ جو تدبیر اور ترکیب اس وقت معتصم کی تحریک اور تجویز سے عمل میں لائی گئی۔ وہ کبھی قابل استعجاب نہیں ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے ان حضرات علیہم السلام کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان ذوات عالیات کے ہلاک اور قتل کرنے میں انواع اقسام کی تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ اور اُن میں سے جو زیادہ قرین مصلحت اور مناسب وقت ہوتی تھی۔ وہی کی جاتی تھی۔

ایک حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے ہلاک کرنے کی فکر میں۔ ہارون نے کیسی کیسی ترکیبیں کیں۔ جو تمام دنیا کو معلوم ہے۔ ایک اُسی کے طرز عمل کے اختلاف کو دیکھکر ہر عاقل شخص باسانی سمجھ لے سکتا ہے کہ اگر معتصم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مار ڈالنے اور شہید کرنے کی فکر میں یہ دونوں ترکیبیں عمل میں لائیں تاہم کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان میں سے صرف ایک ہی تدبیر عمل میں لائی گئی تاہم کوئی حیرت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ان دونوں تدبیروں سے جو تدبیر ہو وہی آپ کی شہادت کا باعث سمجھی جائے گی۔

علامہ ابن حجر بھی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں انہ مات مسموما کابیہ آپ بھی اپنے والد بزرگوار علیہ السلام کی طرح زہر دیکر شہید کئے گئے۔ مگر افسوس ہے کہ زہر دئے جانے کی کوئی اصلی کیفیت نہیں لکھی ہے۔ ایک صواعق محرقہ پر موقوف نہیں۔ اہلسنت کی تمام تاریخ وحدیث کی کتابیں۔ ان معاملات میں بالکل خاموش پائی جاتی ہیں۔ اور یہ تمام امور سلطنت کی سطوت اور خوف ودہشت کے اصلی باعث سمجھے جاتے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں۔

امّ الفضل کی آخری سرگزشت

عیون المعجزات میں مرقوم ہے کہ ام الفضل حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی بیماری میں مشغول اشکباری ہوئی۔ یہ ملاحظہ فرماکر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔ سخت تعجب کی بات ہے کہ توہی نے مجھے قتل کیا اور توہی مجھے رونے بیٹھی ہے۔ خدا کی قسم ایک دن تو بھی ایسی بلا میں مبتلا ہوگی جو کسی طرح علاج پذیر نہوگی۔ اور تو ایسے درد لاعلاج میں گرفتار ہوگی جسکے دفعیہ کی کوئی فکر نہ ہوسکے گی۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد ام الفضل کو ناصور کا عارضہ ہوا۔ ہر چند طبیبوں نے علاج کیا مفید نہوا۔ آخرکار اُس زخم میں سمیت پیدا ہوگئی۔ اور وہ اُس کی تاثیر سے مخبوط اور مجنون ہوکر باہر نکل پڑی۔ اور ایک عرصہ تک گلیوں میں ٹھیکریاں چُنتی رہی۔ اور آخرکار اسی پریشانی اور ناپرسانی کی ناقابل برداشت حالتوں میں مرگئی۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے محاسن اخلاق

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی قلیل حیات کے تمام واقعات یوم ولادت سے لیکر روز وفات تک لکھکر اب ہم آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کے دوچار واقعات بطور مشتے از خروارے ویکے از ہزارے۔ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ میں اس وقت تک مجھ کو آٹھ بزرگوارو ں کے حالات تحریر کرنے کا شرف حاصل ہوچکا ہے۔ مگر ہم نہایت حسرت وافسوس سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان تمام بزرگوں میں اپنی حیات کا جتنا کم زمانہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے پایا۔ اُتنا اور کسی بزرگ نے نہیں۔ آپ کا انتقال عین شباب میں ہوا وفات کے وقت کُل پچیس برس کا سن ہونے پایا تھا۔ اسی لئے جس قدر کم حالات ہمکو آپ کے

لکھے ہوئے ہیں اُتنے کسی اور بزرگ کے نہیں - یہ تو معلوم ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کا سن بروایتے آٹھ برس اور بروایتے کُل نو برس کا معلوم ہوتا ہے - پھر آپ اپنے پدر عالیمقدار کے بعد کُل سترہ برس تک زندہ رہے - جس میں آٹھ برس پورے بغداد کے اوّل قیام میں گزرے - اور ایک برس دوسری بار کے قیام میں صرف ہوا - اور شروع سے لیکر مجموع نو برس تک مدینۂ منورہ زاداللہ شرفہا میں قیام فرمارہے - اس حساب سے آپ کی امامت کا قریب قریب نصف زمانہ بغداد کے قیام میں تمام ہوا - اور بقیہ نصف زمانہ کے قریب مدینۂ منورہ زاداللہ شرفہا کی سکونت میں صرف ہوا -

بہر حال - ہم کو اس امر کے بتلانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اُسی خاندان اعلےٰ اور دودمان والا کے چشم و چراغ ہیں - جو اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے اعتبار سے تمام دنیا کا ہادی اور رہنما تھا - اور جس نے تمام دنیا کو اپنے فیضان ہدایت و ارشاد سے حضیض جہالت سے نکالکر تہذیب و شائستگی کے عرش الکمال تک پہنچایا - جو اسلام کی کامیابی کا بہت بڑا قوی اور مستحکم ذریعہ ثابت ہوا ہے - اور امت اسلامیہ کی موجودہ ناتوجہی اور بے التفاتی کے خاص زمانہ میں تو منصب امامت کی ہدایت عامّہ کا خاصکر معیار قرار پایا ہے - جن لوگوں نے حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں - وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ایسے تاریک اور نارسائی کے خاص زمانہ میں ان حضرات کے کوئی آثار و اقتدار باقی نہیں رہے تھے - مخالف سلطنت کی طرف سے بھی ان کے تمام آثار و اقتدار کے مٹانے اور گھٹانے میں خاص طور پر کوشش کی جاتی تھی - پھر ایسی حالت اور ایسی کیفیت میں ہدایت عامّہ کے متعلق جو محاسن آپ سے ظاہر ہوئے وہ سب آپ حضرات کے محاسن ارشاد اور مکارم اشفاق و اخلاق کے قوی اور معجز نما اثر تھے - اور ان تمام بزرگواروں نے تمام تر اپنے اسی ایک اور تنہا اثر سے نظام امّت اور ہدایت عامّہ کے متعلق ایسی ایسی اعلےٰ خدمات کا اظہار کیا - جو اُس وقت کے مُلکی فرمانروا - امرا اور سلاطین سے بھی نہ ظاہر ہو سکے - اور اپنی اسی نارسائی اور عدم توجہی کی خاص حالتوں میں بھی ان بزرگواروں کو جو ذاتی عظمت اور وجاہت حاصل تھی - وہ نہ فرمانروائے زمانہ ہی کو میسّر تھی اور نہ اُس کے کسی امیر یا وزیر سلطنت کو دستیاب -

بہر حال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی ان حضرات کے محاسن و کمال کا نمونہ اور پوری مثال سمجھ لینا چاہیئے۔

محاسن اخلاق اور محامد اشفاق

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے مادام الحیات کسی سے بے رُخی۔ بے مروتی اور کج ادائی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ بخلاف اس کے جس طبقہ اور جس درجہ کے لوگ اپنی غرض۔ اپنی التجا جس وقت اور جس موقع پر لیکر آئے۔ آپ نے اُسی وقت بکمال کشادہ پیشانی اور خندہ روئی اُس سے ملکر فوراً اُس کے انجاح مطالب کے خاطر خواہ سامان فراہم کر دیئے۔ ہر شخص سے بہ تبسم باتیں کرنا۔ اور اُس کے قدر و مراتب کے مطابق اُس کی تعظیم کرنا۔ آپ کی سیرت میں خاص طور پر داخل تھا۔ دولتسرا کا دروازہ ہدایت عامہ اور فیضان ارشاد کے لئے ہر وقت کشادہ رہتا تھا۔ زیارت کا کوئی وقت خاص نہیں تھا۔ کوئی حاجب یا کوئی دربان آستان ہدایت بنیان پر معین نہیں تھا۔ جو طالبان حق اور خواہان کلمات مطلق کو کسی وقت تحصیل ہدایت اور تشریف سعادت سے روکتا یا منع کرتا۔ بخلاف اس کے مستدعین ہدایت۔ مستحقین امت کے لئے ہر وقت عام اجازت تھی۔ جو شخص جس وقت آتا تھا۔ شرف زیارت سے اسی وقت مشرف فرمایا جاتا تھا۔

مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا کے زمانہ قیام میں آپ کی نشست سب سے زیادہ مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوا کرتی تھی۔ اور عام طور سے مسلمین و مومنین کو وعظ و ارشاد کے فیوض یہیں پہنچائے جاتے تھے۔

سادگی اور فروتنی۔ باوجودیکہ مامون عباسی کے ایسے مقتدر اور عظیم الشان خلیفہ اور سلطان کے داماد تھے۔ اور ام الفضل کی ایسی صاحب دولت اور ذی عزت شاہزادی کے شوہر۔ مگر آپ نے کبھی اپنے توسل اور پیوند پر کبھی مفاخرت نہیں ظاہر کی اور نہ کبھی اُس کو کسی عظمت یا وقعت کی نظر سے دیکھا۔ اور نہ کبھی ایسے مال یا ایسی دولت پر اپنی نظر خراب کی۔ اس سلطانی توسل اور تقرب سے نہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مزاج میں کسی قسم کا تغیر آیا۔ نہ تبدل۔ بلکہ بخلاف اسکے آپ کی وضع کی سادگی۔ عام طور سے ملنے جلنے کے طریقے۔ احباب و اصحاب سے

محاسن سلوک کے تمام مراسم اُسی انداز پر برابر قائم رہے۔ جیسے ہمیشہ چلے آتے تھے۔
ایک شخص ناقل ہے کہ مجھ کو امّ الفضل کے ساتھ آپ کے عقد کئے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو میں بغرض تہنیت صبح کو خدمت والا میں حاضر ہوا۔ مجھ کو زمانہ کی موجودہ روش کے مطابق خوف تھا کہ شاید آپ مجھے اپنی زیارت کا شرف نہیں بخشیں گے مگر میرے خیال کے بالکل برعکس میرے حاضر ہونے کی جو ہیں خبر پہنچائی گئی۔ آپ نے فوراً مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ میں حاضر ہوا۔ اور میں نے دیر تک اس امر میں خاص طور پر تمیز کی کہ آپ کی موجودہ رفتار اور مزاج میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا ادراک واحساس کروں۔ مگر ہرچند میں نے غور کیا۔ اور لاکھ لاکھ تحقیق و تلاش کی۔ لیکن کچھ نہ پایا۔ اور آپ کے اخلاق عظیم اور اشفاق قدیم میں کسی قسم کا کوئی فرق اور کوئی کمی نہیں پائی۔
اس اثناء میں مجھے پیاس معلوم ہوئی اور پانی کی خواہش ہوئی۔ مگر میں نے عرض مطلب کو خلاف ادب امامت سمجھکر ضبط کر لیا۔ مگر جناب امام محمد تقی علیہ السلام میرے نفس مدعا کو بخوبی سمجھ گئے۔ اور فوراً تبسم زیر لب فرما کر ایک خادم سے پانی طلب فرمایا۔ وہ پانی لیکر حاضر ہوا تو اُس سے جام آب لیکر پہلے آپ اُس میں سے دو گھونٹ پی لئے۔ پھر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد کیا کہ لو۔ اسے پی لو۔ میں نے بکمال مسرت آپ کے دست مبارک سے وہ ساغر لیکر پی لیا۔ اور پھر جب تک خدمت عالی میں بیٹھا رہا آپ کے اس اعجاز اور قیافہ شناسی پر تعریف کرتا رہا۔
اس واقعہ سے ہمارے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ظاہری ثروت و اقتدار پر آپ کوئی اعتنا اور اعتبار نہیں فرماتے تھے۔ اور احباب معتمدین و اصحاب مخصوصین کے دائرہ میں۔ آپ کے اخلاق و اشفاق کے جو محاسن قدیم سے جاری اور قائم تھے۔ وہی برابر اس وقت تک جاری اور قائم رہے۔
عام بخشش اور کرم و جود۔ عام بخشش اور کرم و جود کے لئے آپ کا دروازہ ہمیشہ وا رہا کرتا تھا۔ اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ کے دست کرم بھی کشادہ۔ آپ کی ہمت عالی بھی رفیع۔ آپ کے حوصلے بھی رفیع تھے۔ مدینہ منورہ کے تمام فقرا۔ غربا اور مساکین در دولت سے وظیفہ اور روزینہ پایا کرتے تھے۔ کوئی

مستحق ایسا نہیں ہوتا تھا جو دولت سرائے امام علیہ السلام سے محروم یا ناکام واپس جاتا ہو۔ دور اور بیرونجات کے رہنے والے مستحقین تو وکلاء کے ذریعہ سے اپنے اپنے وظیفے پاتے تھے۔ اور مدینہ منورہ زاد اللہ شرفا کے خاص رہنے والے مومنین آپکے خاص دست مبارک سے کھانے اور نقد کے اقسام پاتے تھے۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کا کیا نام ہے۔ اور آپ کس خاندان کے چشم و چراغ اور کس دودمان کے سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہیں۔ ہاں آپ کی وفات کے بعد اُن کو معلوم ہو سکا کہ آپ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے فرزند دلبند ہیں۔

اقربا کے ساتھ سلوک۔ باوجودیکہ آپ کے بنی اعمام نے آپ کی طفولیت کے زمانہ ہی سے آپ کے ساتھ انواع اقسام کی مخالفتوں کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے اُنکے تمام ابواب اسی طرح قائم رکھے۔ جو ہمیشہ سے اُن لوگوں کو ملا کرتے تھے۔ اور وہ سارے وظائف جو اُن کے گزاروں میں ملا کرتے تھے۔ برابر پہنچاتے رہے۔ اگرچہ یہ حضرات آپ کے ساتھ اتحاد و اخلاص کے مراسم اور عقیدت و ارادت کی مسالک کو قائم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بخلاف اُنکے طرز عمل کے۔ اُن کے ساتھ۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ہمیشہ ہی محاسن سلوک جاری اور قائم رکھے۔

یہ تو مدینہ کے خاص باشندوں کے ساتھ آپ کے اخلاق و اشفاق کے عام برتاؤ تھے۔ قیام بغداد کے زمانہ میں۔ عراق اور فارس کے تمام لوگوں کے ساتھ بھی آپ کے ملنے جلنے کی یہی کیفیت تھی۔ جس سے آپ کے حسن اخلاق کے تمام جوہر بخوبی ثابت ہو جاتے ہیں۔

طعام کی سادگی۔ لباس اور طعام آپ کا عموماً سادہ ہوا کرتا تھا۔ اور اُس میں ظاہری زیب و زینت سے کوئی علاقہ نہیں رہتا تھا۔ جو کی روٹیاں۔ سرکہ، شہد خالص عموماً آپ کی خوراک تھی۔

ہاں جب کسی احباب کی مہمانی اور ضیافت کا سامان کیا جاتا تھا۔ تو اُس وقت آپ کا دسترخوان انواع اقسام کے طعام اور لذیذ میووں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔

غرباسے زیادہ ملتے تھے۔ قیام بغداد کے زمانہ میں۔ آپ کی صحبت میں امرا اور

اراکین سلطنت سے زیادہ غربا اور اہل حاجت حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور حقیقت میں آپ کو امرا اور دولتمند لوگوں کی مجالست اور مکالمت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ بخلاف اس کے غربا اور ایسے لوگوں سے زیادہ تر ملنا پسند فرماتے تھے جو علوم وارشاد کے شائق ہوتے تھے۔ اور تحصیل علوم یا تحقیق مسائل کی غرض سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

قیام بغداد کے ایام میں بھی آپ نے محلات شاہی میں سکونت نہیں اختیار فرمائی۔ اگرچہ ام الفضل کی طرف سے یکجائی مسئلہ پر خاص طور سے زور دیا گیا۔ اور اصرار پر اصرار ہوتا رہا مگر آپ نے کسی طرح اس کو قبول نہ فرمایا۔ اور محلات شاہی کے عوض میں ایک معمولی سا مکان لے رکھا تھا۔ اور اُسی میں ابتدا سے انتہا تک سکونت اختیار فرمائی۔ یہیں سے جب طبع عالی میں آتا تھا محل شاہی میں ام الفضل کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ مگر جب اُس کی مخالفت مدینۂ منورہ سے یہاں آکر اور بڑھتی ہوئی مشاہدہ فرمائی تو آپ نے ام الفضل کے پاس اپنی آمد و رفت اور بھی کم کر دی۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد اُن محترمہ سے عقد پڑھا لیا جو حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھیں۔ یہ امر ام الفضل کی سخت کشیدگی اور کوفت کا باعث ہوا۔ اور اس اثنا میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ام الفضل کے پاس اپنی آمد و رفت قطعی موقوف کر دی۔ جب آپ کی بے التفاتی اور عدم توجہی کو زیادہ عرصہ گزر گیا تو ایک دن معتصم کی بی بی کی بڑی منت و سماجت پر آپ ایک بار محل سلطانی میں تشریف لے گئے تھے۔ جہاں آپ کے لئے خلوت کا سامان کر دیا گیا تھا مگر اس یکجہتی کا بھی نتیجہ سوائے بے لطفی کے کچھ اور نہ نکلا۔ کیونکہ معتصم کی بی بی جو قریب در موجود تھی۔ بیان کرتی ہے کہ اس خلوت کے مغتنم زمانے میں بھی ام الفضل نے اپنی کج عقلی کی وجہ سے آپ کے ساتھ ایک بات بھی سیدھے طور پر نہیں کی طعن پر طعن تعریض پر تعریض کرتی رہی۔ آپ سنتے سنتے عاجز ہو گئے۔ اور وہ آپ کے تکدر خاطر کا بہت بڑا باعث ہوا۔ آخرکار آپ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اُٹھ آئے کہ تیرا معاملہ بالکل صواحب یوسف علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی مثال ہے۔ جن کی تقدیر میں سوائے محرومی اور ناکامیابی کے کچھ اور نہیں ہے۔

اس واقعہ سے۔ جو معاملات آپ کے اور ام الفضل کے درمیان پیش تھے۔ وہ بخوبی معلوم ہوگئے۔ پھر ان کے مقابلہ میں آپ اُسکی یکجائی اور یکجہتی کو پسند فرماتے تو کیونکر۔ انہیں امور کی وجہ سے آپ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی والدۂ گرامیقدر کو امّ الفضل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور یہی امر فطرتاً ام الفضل پر زیادہ شاق گزرتا تھا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ابتداً میں یہ کوشش ضرور فرمائی تھی کہ ام الفضل اور ان خاتون مقدسہ کے درمیان اتفاق و اتحاد قائم کر دیا جاوے۔ ایک دوسری کی مخالف نہ رہے۔ اس لئے آپ نے ایک بار اُن کو ام الفضل کے پاس خاص طور پر ملنے کے لئے بھیجدیا۔ مگر امّ الفضل کی شریر اور مفسد طبیعت میں اتنی صلاحیت کہاں۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے اس آئین معاشرت کی قدر کرتی۔ یا اُس کے قلب پر اس خاتون معظمہ کے تشریف لانے سے کوئی اثر پڑتا۔ بلکہ اس کے خلاف۔ اس تدبیر سے اُس کے دل میں مخالفت کی آگ کچھ ایسی بھڑکی کہ وہ اُس معظمہ کی تکلیف دہی یا آزاررسانی کی ترکیب تو پیچھے کریگی۔ سب سے پہلے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے قتل پر اپنے باپ مامون کو آمادہ کرنے لگی۔ جیساکہ اوپر پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا۔

اگر آپ کی معاشرت کے حالات پر پورے طور سے غور کیا جاوے تو معلوم ہوجائیگا کہ ام الفضل نے کسی مقام اور کسی ایام میں آپ کو آرام سے رہنے نہ دیا۔ نہ آپ اطمینان سے بغداد ہی میں رہے۔ اور نہ مدینۂ منورہ میں۔ جہاں تک آپ تشریف فرما رہے۔ یہ آپ کے پہلو کا خار بنی رہی۔ اور ہمیشہ ایک نہ ایک مخالفانہ تحریک پیش کرتی رہی۔ جیساکہ اوپر کے واقعات سے مفصل طور پر ظاہر ہوا۔

لباس اور طعام کی سادگی۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی بالکل اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح قلیل الطعام اور قلیل النوم تھے۔ دن بھر اکثر روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور راتوں کو عبادت اور شب بیداری میں بسر فرماتے تھے۔ لباس آپکا بالکل موٹا اور سادہ ہوا کرتا تھا۔ اور کبھی ایک پیراہن متواتر آپ کے جسم مبارک پر نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ غربا اور مستحقین کو لباسہائے مبارک کا اکثر خلعت ہوا کرتا تھا۔

ارشاد و ہدایت۔ آپ کے ارشاد و ہدایت کی توضیح و تشریح کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ فرقہ واقفیہ کے لوگ جو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے زمانہ سی ظاہر ہوکر انواع اقسام کی بدعات اور فسادات کا باعث ہو رہے تھے۔ آپ ہی کے وعظ و نصائح سے تائب ہو کر۔ پھر اپنے قدیم عقائد پر راسخ ہو گئے۔ اور اپنی تمام غلط خیالی اور کوتہ اندیشی سے دست بردار ہوکر۔ آخر میں اُنھوں نے اپنی تمام ضلالت اور جہالت کی دلائل کو آپ کی کم سنی اور طفولیت پر منحصر اور موقوف کر رکھا تھا۔ اور اپنے مفسدانہ اور مخالفانہ خیالوں کی تحریک سے یہ سوچ رکھا تھا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام صغر السنی کی ایسی حالت میں۔ کبھی منصب امامت کے شایاں اور سزاوار نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اپنے اسی قیاسی اور ظنی دلائل پر قائم رہکر۔ وہ نہایت دلیری سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے انواع اقسام کے صدہا مسائل بیک وقت اور بیک جا استفسار کئے۔ اور آپ نے اُسی وقت اُن تمام سوالوں کے جواب ایسے خاطر خواہ اُن کو دئے کہ پھر وہ بار دیگر عرض و معروض کی کبھی جرارت نہ کر سکے۔ اور ہر طرح سے آپ کی حقانی قابلیت اور روحانی جامعیت کے قائل ہوکر اپنے ارتداد سے تائب ہوتے گئے۔ پھر تو تھوڑے ہی دن میں اس فرقہ کا کہیں نام بھی باقی نہیں رہا۔ اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی حیات ہی میں کوئی شخص ان عقائد اور مسالک پر قائم نہیں دکھلائی دیتا تھا۔

فرقہ واقفیہ کے واقعات سے ہم کو آپ کے ارشاد کامل کے کامل ثبوت ملتے ہیں اور یہ امر بھی تحقیق ہو جاتا ہے کہ اس فرقہ کے استیصال کامل کا باعث آپ ہی کے مواعظ حسنہ تھے۔ اور یہ وہ فرائض تھے۔ جو آپ کے منصب امامت سے خاص طور پر تعلق رکھتے تھے۔ جنکی انجام دہی اور ادا کاری منجانب اللہ آپ کے محاسن خدمات میں داخل تھی۔

جامعیت اور استعداد۔ ہمکو اس بحث کے متعلق زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں قاضی یحییٰ ابن اکثم اور آپ کے ساتھ مناظرہ اور کلام کی پوری کیفیت ہم اوپر لکھ آئی ہیں۔ جو یہاں بھی ہمارے مدعائے تالیف کا پورے طور سے اظہار کر تی ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آپ حضرات کی فضیلت اور محاسن کمال کو سن وسال سے کوئی واسطہ اور کوئی تعلق نہیں تھا۔ مبدءِ فیض سے عین کم سنی ہی میں آپکو جامعیت اور کمال کے وہ درجے عنایت فرمائے گئے تھے جو انسان کے معمولی طبقہ میں۔ کسی عمر۔ یا کسی سن وسال والے کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور یہ روحانی اور وہبی تعلیمات کے اثر تھے۔ نہ انسانی اور کسبی تحصیل کے افادے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ذات مجمع الحسنات میں ارشاد و ہدایات کے جتنے محاسن اور واقعات پائے جاتے ہیں وہ آپ کے عدیم المثال کمال اور نادر الوجود قابلیت اور استعداد کو کافی طور سے ثابت کرتے ہیں۔

مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہا اور بغداد کے قیام کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین۔ آپ کی صحبت بابرکت میں خوشہ چین رہا کرتے تھے۔ اور آپ کی خدمت فیض موہبت سے مختلف علوم کی تحصیل کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حج کے ایام میں قاضی یحییٰ ابن اکثم کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور عین اُس وقت۔ جب آپ اپنے حلقۂ وعظ میں کھڑے اہل اسلام کو مسائل شرعیہ اور احکام دینیہ تعلیم و تلقین فرما رہے تھے۔ یحییٰ کا بیان ہے کہ آپ اپنے سلسلۂ بیان میں ایسے ایسے نکات عالیہ اور مطالب اصلیہ۔ اپنے حسن فصاحت اور معجز بیانی سے ارشاد فرماتے تھے کہ اس سے قبل میں نے آج تک ایسی جامع و مانع تقریر کبھی دیکھی تھی اور نہ کبھی سُنی تھی۔ مجھ پر آپ کے کلام معجز نظام کی کچھ ایسی تاثیر پیدا ہوئی کہ جب تک آپ نے اپنے بیان کو خاتمہ تک نہ پہنچا لیا۔ میں اُس مقام سے نہ ہٹا۔ اور اپنی جگہ سے ایک دم کے لئے بھی نہ سرکا۔

قاضی یحییٰ ابن اکثم سے کون شخص واقف نہیں ہے۔ ان کی بہت بڑی معرفت کے لئے یہی کافی ہے جیسا کہ سواد اعظم میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ قاضی صاحب ہی کے مناظرے اور کلام کی قوت تھی۔ جس نے مامون کو ایک مدت کے بعد مسلک حنفیہ کے مطابق حرمت متعہ کا قائل کر دیا۔ وہذا بہتان عظیم۔

بہر حال۔ قاضی صاحب کے ایسا امام المناظر۔ اور علم کلام کا مشتاق۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے طریقہ کا ضرور مخالف تھا۔ اور پھر بہت بڑا مخالف۔ آپ کے

ارشاد و کلام کی اتنی تعریف کرے۔ اور آپ کے حسن بیان پر ایسا محو ہو جاوے کہ جبتک آپ کا کلام تمام نہو لے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور نقش بدیوار بنا ہوا کھڑا ہوا سنا کرے اور ہوں سے چوں نہ کرے۔

قاضی صاحب کی ان تعریفوں پر مجھے کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ مگر ہاں ان کے خاموش اور ساکت رہنے پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے وہ مضامین اور مطالب جو اس وقت آپ اپنے سلسلۂ کلام میں بیان فرما رہے تھے تمام دلائل اور قرائن سے۔ قاضی صاحب کے نزدیک ایسے ہی آراستہ اور پیراستہ ہو رہے تھے کہ قاضی صاحب کو اُن میں سے کسی ایک کی نسبت بھی سوائے سکوت تسلیمی اور خموشی اقراری کے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑا۔ ورنہ قاضی صاحب کی ذاتی مخالفت سے ہمیں امید نہیں تھی کہ وہ اپنے ایسے مخالف کے اتنے طول و طویل استدلال کو۔ جو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع عام میں۔ بیت الحرام کے متبرک اور مقدس مقام میں بیان کیا جاتا ہو۔ سنتے اور پورا سنتے اور اُس میں کچھ اور نہیں تو صرف اپنی قابلیت کے اظہار ہی کی تنہا غرض سے کوئی تعریض نہ کرے۔

مگر قاضی صاحب حقیقتاً مجبور تھے۔ اور بالکل مجبور۔ کیونکہ۔ یہ کسی معمولی اور عام شخص کا کلام نہیں تھا۔ یہ معصوم کی تقریر تھی۔ اور یہ امام کا کلام تھا۔ جو سراپا نقائص سے محفوظ۔ اتمام معائب سے پاک و صاف۔ پھر ایسے کامل اور معصوم الخطا بزرگوار کے ارشاد میں قاضی صاحب کی ہستی کیا۔ کہ کوئی تعریض پیش کر سکیں۔ اس کے علاوہ قاضی صاحب کی ہمہ دانی۔ جامعیت اور قابلیت کا امتحان تو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے عقد والے جلسہ میں ہو ہی چکا تھا۔ اب ہمارے قاضی صاحب ایسے کیا حیادار تھے کہ بار بار اپنی صلاحیت طبعی اور قابلیت علمی کو بار دیگر پشت از بام کرتے۔

بہر حال۔ اسی سے۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی عدیم المثال جامعیت کے کافی ثبوت ملتے ہیں۔ اور الفضل ما شہدت بہ الاعداء کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔

اپنے سلسلۂ کلام اور ترتیب مضامین کے ضروری التزام کی وجہ سے۔ ہم اس مقام پر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے وہ اقوال اور ارشاد قلمبند کرنا مناسب سمجھتے تھے

جو آپ نے لیلۃ القدر کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں۔ اور جس کو کتاب صافی کے ۱۶ سولہ صفحوں میں مندرج کیا گیا ہے۔ مگر ہم اتنی طوالت کو اپنی ضرورت کے لئے کسی طرح مفید نہیں سمجھتے۔ اس لئے ذیل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے صرف اُس خطبہ کو کتاب کافی سے نقل کرتے ہیں جو آپ نے وجود ذات ربانی اور اثبات صفات یزدانی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وجود باری تعالےٰ عزّ اسمہ کے متعلق خطبہ

فسئل لہ علیہ السّلام رجل فقال اخبرنی عن الرّب تبارك وتعالیٰ لہ الاسمآء وصفات فی کتابه واسمآءه وصفات هی هو فقال ابوجعفر علیہ السّلام انّ هٰذا الکلام وجهین ان کنت تقول هی هو ای انّه ذو عدد وکثرة فتعالی الله عن ذٰلك وان کنت تقول لم تزل تصویرها وهجّاوها وتقطیع حروفها فمعاذ الله ان یکون معه شئ غیره۔ بل کان الله عزّ وجلّ ولا خلق ثم خلقها وسیلة بینه وبین خلقه یتضرّعون بها الیه ویعبدونه هی ذکره وکان الله ولا ذکرا ولا مذکور بالذّکر وهو الله القدیم الّذی لم یزل والاسمآء والصّفات مخلوقات والمعانی والمعنی بها هو الله الّذی لا یلیق به الاختلاف ولا یتلاف وانّما یختلف ویاتلف والمنجزی والله فلا یقال مختلف ولا موتلف ولا الله قلیل ولا کثیر ولکنّه القدیم فی ذاته لانّ ما سوی الواحد متجزی والله واحد لا متجزی ولا متوهم بالقلّة والکثرة فهو مخلوق دال علیٰ خالق لہ فقولك انّ الله قدیر خبرت انّه لا یعجزه شئ فنفیت بالکلمة العجز وجعلت العجز سواه وکذٰلك قولك عالم انّما نفیت بالکلمة الجهل وجعلت الجهل سواه وقال لہ الرّجل فکیف سمّینا ربّنا سمیعا فقال انّه لا یخفی علیه ما یدرك بالاسمآء ولم نصفه بالسّمع المعقول فی الرّاس وکذٰلك سمّیناه لطیفا بعلمه بالشئ اللّطیف مثل البعوضة واخفی من ذٰلك وموضع النشوۃ منها والعقل والشّهوۃ للفساد والحدب علیٰ نسلها واقام بعضها علی بعض ونقلها الطّعام

والشراب الاولادها في الجبال والمناوز والاودية والقفار فعلمنا
ان خالقها لطيف بلا كيف وانما الكيفية للمخلوق والكيف فربنا
تبارك وتعالى لا شبه له ولا ضد ولا ند ولا كيف ولا نهاية ولا ابتصار
بصر ومحرم على القلوب ان تمثله وعلى الاوهام ان تحداه وعلى الضمائر
ان تكونه جل وعز عن ذات خلقه وسمات برتيه وتعالى عن ذلك
علوا كبيرا۔ کافی جزو دوم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۴۰۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ خدائے تبارک و تعالے کی حقیقت سے
مطلع فرمائیں۔ اُس کے اسماؤ صفات جو قرآن مجید میں موجود ہیں وہ بذات خود
خدا ہیں۔ آپ نے اُس کا یہ سوال سُنکر جواب میں ارشاد فرمایا کہ تیرا یہ گمان
محض غلط ہے۔ کیونکہ اسمار و صفت اگر عین ذات خیال کئے جائیں تو باعتبار
تعداد کے اسماؤ صفات اُس کی خاص ذات قرار پاجائیں گے۔ اور کثرت اعداد
سے اُس کی ذات پاک و منزہ ہے۔ اور اگر تیری یہ مراد ہے کہ یہ اسماؤ صفات
بطور مجاز اُس کی عین ذات سمجھے جاتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ اسمار و صفات
اُس کی ذات کے ساتھ ساتھ ہمیشہ سے پائے جاتے ہیں تو اُس میں بھی دو باتوں
کا احتمال ضرور ہے۔ اوّل تو یہ کہ اسمار و صفات ذات باری تعالے شانہ کے
ساتھ ہیں۔ اور اسکا اُس کو پورا علم ہے۔ اور اُسکو اس کی ہمیشہ سے خبر ہے کہ اگر
اُس کے لئے یہ اسماؤ صفات قرار دئے جائیں گے تو اُس کے بندے اُس کو
اُنہیں اسمار و صفات سے یاد کیا کرینگے۔ اور اُس کی حمد و ثنا کرینگے۔ اور اگر
تیرے دل میں یہی رائے قائم ہو چکی ہے تو بیشک تیری رائے صحیح ہے اور درست
اور اگر دوسری صورت ہے۔ تو اسماؤ صفات کو دو جُداگانہ شے تصوّر کرتا
ہے اس طرح پر جس طرح کہ دو حرف مختلف جن کی صورت ہجی اور تقطیع علیحدہ
علیحدہ کی جاوے۔ میں تو اس تیری تجویز کی لئے خدا یتعالے سے پناہ مانگتا ہوں۔
کیونکہ خدائے تعالے کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اور تیری یہ تجویز ضلالت
اور ہلاکت کا باعث ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالے ہمیشہ سے ہے۔ نہ وہ کسی
خلقت سے ہے اور نہ کسی مخلوق سے۔ اُس نے اپنے بندوں کے قلوب اور اذہان

میں اپنے اسماء وصفات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اُن کے ساتھ بصد الحاح وزاری خدا کی عبادتگزاری کریں۔ اور اُسی سے اپنی حاجتیں طلب کریں۔ اس وجہ سے یہ اسماوصفات خدا کی خاص یادہیں۔ جن سے وہ خدا کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ اور وہ خدائے تعالےٰ جمیع مخلوق کی آفرینش اور ذکر سے بھی قدیم ہے۔ اور جو شے کہ ان اسماوصفات سے یاد کی جاتی ہے وہ ذات باری تعالےٰ شانہ ہے۔ کیونکہ وہ قدیم ہے۔ اور کبھی زائل ہونے والا نہیں ہے۔ اسماوصفات الٰہی اس وجہ سے حادث بالتدبیر ہیں۔ ان معنوں میں کہ وہ عقول انسانی اور اذہان و دیگر اعضائے جسمانی۔ حافظہ۔ ذہن اور شعور وغیرہ کے ذریعہ سے حادث ہوتے ہیں۔ اور ان اسماوصفات سے خاص وہی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کی ایسی ذات ہے کہ نہ اُس میں تغیر اور اختلاف ہوسکتا ہے اور نہ زوال و اضمحلال۔ نہ اُس کی ذات پر کمی اور بیشی صادق آسکتی ہے۔ میرے اس کہنے کے مقابلہ میں کہ خداوند تعالےٰ من جمیع الوجوہات واحد ہے۔ تیرا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ قدیر ہے اس سے دلیل مبالغہ کی خبر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو کسی چیز کا اصلا عاجز نہیں کرتا ہے۔ پس اس صورت میں تونے اصل عجز ہی سے انکار کردیا۔ اور عجز کو اُس کے غیر کے لئے جائز رکھا۔ اور اگر عجز بھی قائم کیا جاتا تو وہ بھی اختلاف و ائتلاف ذات کا باعث ہوتا۔ اور تیرا ایسا ہی کہنا کہ خداوند علم عالم ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ غیر اُسکا جاہل ہے۔ مگر ان اقسام کی دلائل سے عجز یا جہل کی نفی نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس دلیل سے اسباب و آلات قائم ہوتے ہیں۔ اور اُس کا قادر و عالم ہونا ان اسباب و آلات پر موقوف ہوجاتا ہے۔ جو صورت ذہنی یا انتشار معلومات کے اثبات سے تعلق رکھتا ہے۔ تب تو وہ عالم ہوگا۔ کیونکہ وہ مستلزم اختلاف و ائتلاف کا ہوگا۔ اور یہ محال ہے۔ اگر ثبوت معدومات علم الٰہی کے لئے شرط ہو۔ اور اُس کا علم بھی جُدا شونده دوسروں کی طرح ہوجائیگا۔ پس اس میں اختلاف بھی ہوگا۔ اور ائتلاف بھی۔ اور پھر اُس میں کثرت بھی ہوگی۔ اور قلت بھی۔

ملّا خلیل قزوینی نور اللہ مرقدہ اپنی شرح کتاب الصافی میں اتنا تحریر فرماکر یوں

شرح فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ تعالے جس وقت کسی شے کو فنا کرنا چاہتا ہے تو اُس کے دل سے اپنے اسماؤ صفات کی یاد۔ اُن کا ذکر۔ اُن کا شمار۔ غرضکہ اُن کے متعلق تمام حدوث ذہنی کو فانی کردیتا ہے۔ اور وہ دانائے قدیم ہے۔ پھر اُس سائل نے سوال کیا کہ جب اختلاف و ائتلاف ممکن نہیں ہے تب تم خدا کو سمیع کیوں کہتے ہو۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ہم اس لئے حق سبحانہ تعالے کو سمیع کہتے ہیں کہ وہ ایسا سمیع ہے جو بغیر کسی آلۂ سماعت کے سماعت کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اُس کو آلۂ سماعت کے ذریعہ سے سُننے کا بھی کافی علم موجود ہے۔ مگر ہم اُس کے اوصاف سماعت کو آلۂ سماعت کا محتاج نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ اوصاف تو معمولی طور پر ہر آدمی کے پاس موجود ہیں۔ اس لئے ہم اُس کو بینا (دیکھنے والا) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جو چیزیں کہ آدمی آلۂ بصارت کے ذریعہ سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ بھی اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں۔ مثلاً تمیز رنگ۔ تشخیص اجسام وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم اُس کی بصارت کو حرکت نگاہ وغیرہ کا محتاج نہیں کہہ سکتے۔ اس وجہ سے ہم اُس کو لطیف کہتے ہیں۔ اُس کی باریک صنعت اور لطیف قدرت کے باعث سے جیسا کہ مچھر میں سونگھنے کی قوت کا موجود کرنا اور اپنے نفع و ضرر کی تمام صورتوں کا پورے طور سے احساس کرنا۔ اور اپنے اُس نیش کے استعمال کرنے کے موقع اور اجازت کو جاننا۔ اپنی مادہ سے لطف صحبت اُٹھانا۔ اور برابر اپنے بچوں پر پیار اور مہربانی کرنا۔ اور اسی طرح دیگر اعضا کی قوتوں کو عمل میں لانا۔ اور اپنے بچوں کے لئے خوراک مہیا کرنا۔ اور اُن کو ایک جگہ سے لیجا کر دوسری جگہ پہنچانا۔ کہ اکثر اُن میں سے پہاڑوں میں جنگلوں میں۔ اور گھروں میں رہتے ہیں۔ جہاں نہ اُن میں گھاس ملتی ہے نہ پانی۔ مچھر کی خلقت سے ہم نے کامل طور پر یقین کر لیا کہ مچھر کا پیدا کرنے والا بہت بڑا باریک صناع ہے۔ اور اُس میں صناع کی کوئی کیفیت ایسی نہیں پائی جاتی جو عموماً صاحبان صنعت میں عام طور سے پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ کیفیت

اور حالت کو مخلوق سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے پروردگار جل شانہ کو قوی کہتے ہیں۔ جو ضعف کا ضد ہے۔ اور وہ اپنے دشمن پر غالب آنے میں حاوی ہے۔ مگر ان محنتوں میں جیساکہ معمولی اور متعارف محنتوں میں مشہور ہے کہ وہ اپنی طاقت اور زور کے باعث سے اپنے مخالف پر غالب اور کامیاب ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے سے اُس کی مشابہت مخلوق کے ساتھ ہوجاتی ہے۔ جن میں اعضا اور کیفیت بھی موجود ہے۔ اور خداوند تبارک و تعالےٰ میں ہر وقت افزائش کی قوت موجود ہے۔ اور وہ محدث نہیں ہے۔ کیونکہ محدث میں نقصان اور کم ہونے کا احتمال ہے۔ اور جو نقصان ہونے والا ہے وہ ہرگز قدیم نہیں ہوسکتا۔ اور جو چیز کہ قدیم نہیں وہ عاجز ہے۔ اور جو عاجز ہے جو خالق نہیں ہے۔ بلکہ مخلوق۔ ہمارے خدائے عزّوجل کی ذات ایسی نہیں جس پر اسم جامد مطلق کا اطلاق صحیح ہوسکے۔ اُس کا کوئی شریک اور ہم چشم نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کے مثل ہے اور نہ اُس میں کوئی کیفیت ہے۔ اور نہ کوئی اُس کی انتہا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ باقی ہے۔ اور اُس کی قدرت کے کمالات بے انتہا ہیں۔ اور وہ بصیرت کا محتاج نہیں۔ اور کسی دل میں اُس کے تصوروں میں اُس کے لئے کوئی صورت قائم نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اُس کی نسبت کسی قسم کا کوئی وہم پیدا کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ اُس کی ذات کا احساس یا ادراک کرسکیں۔ وہ ان تمام امور سے اعلےٰ تر ہے۔ اور اپنی پیدا کی ہوئی اشیا کی طرح مثل اعضا اور دست و بازو رکھنے کا محتاج نہیں ہے۔ اور اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح وہ مکان۔ رنگ اور بو وغیرہ کی بھی کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ تمام اعلےٰ اور بزرگ اشیاء سے اعلےٰ تر اور بزرگ تر ثابت ہوا ہے۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے اسی ایک خطبہ سے آپ کی معرفت الٰہی اور کمال لاانتہا ہی کے پورے اندازے ہوسکتے ہیں۔ اور اُس کے بلیغ اور پرمعنی مضامین سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

خدائے تبارک وتعالےٰ کی ذات اور اُس کے مبارک اور مقدس اسماؤ صفات کی حقیقت کو کہاں تک سمجھے تھے۔ اور ان علوم مخصوصہ پر آپ کو کیسا کامل ادراک حاصل تھا۔ جو سوائے مخصوصان الٰہی اور برگزیدگان خدا کے۔ اور کسی فرد بشر کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کے اقوال ہدایت اشتمال پر غور کی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت اور اُس کے لاشریک ہونے کی حقیقت جن دلائل اور براہین کے ساتھ حضرت ابراہیم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام۔ حضرت موسےٰ اور جناب عیسےٰ مریم علیہما السلام اور ہمارے ختم المرسلین حضرت محمد مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہزاروں برس پہلے بتلائے ہیں۔ انہیں مضامین اور اثبات کے ساتھ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی اُس کی ذات۔ اسماؤ صفات کو بتلایا اور ثابت فرمایا ہے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد واٰل محمّد۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی کرامت

علی ابن خالد ناقل ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عراق (سامرہ) میں ایک شخص کی نسبت سُنا کہ وہ نبوّت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ یہ واقعہ سُنکر مجھے بہت بڑی حیرت ہوئی۔ اور اُس سے ملنے کا شوق ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ تو خلیفہ کے حکم سے قید ہے۔ میں کچھ ایسا شائق ہو رہا تھا کہ اُس کے شوقِ ملاقات میں قیدخانہ کے پاس پہنچا۔ اور زندان بان کو کچھ دے دلا کر اُس شخص سے ملا۔ اور اُس سے حقیقت احوال دریافت کی۔ تو اُس نے بیان کیا کہ میں ملک شام کا باشندہ ہوں۔ اور میں نے اپنی تمام عمر عبادت الٰہی میں بسر کی ہے۔ میں ایک رات کو اُس مقام مقدّس میں مصروف عبادت تھا جہاں جناب شہید کربلا خامس آل عبا ارواحنا لہ الفدا کا سر مبارک نصب کیا گیا تھا۔ کہ اُسی اثنا میں میرے سامنے ایک شخص آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ اُٹھ چل۔ یہ سُنکر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھا تو مسجد کوفہ میں موجود تھا۔

اُس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ میں نے کہا مسجد کوفہ میں۔
پھر وہ بزرگ نماز میں مصروف ہوئے۔ اور میں نے بھی اُن کی اقتدا کی۔
جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ مسجد سے باہر نکلے۔ میں بھی اُن کے ہمراہ
ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو روضۂ رسول مقبول صلے
اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا۔ وہ بزرگوار خود بھی نماز میں مصروف ہوئے
اور میں بھی اُن کے ساتھ عبادت کرنے لگا۔ نماز کے بعد وہ بدستور سابق
مسجد سے باہر تشریف لائے۔ اور میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ چند قدم چلا تھا کہ
مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا میں آموجود ہوا۔ حرم محترم کے طواف وغیرہ سے
فارغ ہو کر جب ہم باہر آئے تو وہ مرد مقدس یکایک میری نظروں سے
غائب ہو گیا۔ اور پھر میں نے اپنے آپ کو اُسی مقام پر پایا جہاں میں ملک شام میں
اپنے مقام پر عبادت کرتا تھا۔

میں ہمیشہ اس واقعہ پر تعجب کیا کرتا تھا۔ کہ سال بھر کے بعد اُسی دن اور اُسی تاریخ
پھر وہی مقدس بزرگوار تشریف لائے۔ اور مجھ کو اپنے ہمراہ لیکر جن جن عبادتگاہوں
میں کہ پہلے تشریف لے گئے تھے اب کی بار پھر وہیں رونق افروز اور سعادت اندوز
ہوئے۔ جب تمام عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو چکے۔ اور وہ رخصت
ہونے لگے تو میں نے نہایت منت وسماجت سے اُن کا اسم گرامی پوچھا۔ تو ارشاد
فرمایا کہ مجھے محمد ابن علی (علیہما السلام) کہتے ہیں۔

دوسرے دن میں نے یہ واقعہ اپنے احباب سے بیان کیا۔ انہوں نے اس کو
خاص وعام میں مشہور کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر والئ شام کے کانوں تک پہنچی۔
اُس نے مجھے دعوئے نبوت کے ساتھ متہم کر کے اسی الزام میں قید کر دیا۔
راوی حدیث کا بیان ہے کہ اُس کا یہ حال سُنکر مجھے سخت افسوس ہوا۔
میں نے ازراہ ہمدردی اُس کا پورا حال لکھکر حاکم شہر کو اپنی طرف سے اطلاع
دی۔ اور خاص طور پر اُس کے لئے سفارش کی۔ اس نے میرے عرض حال کی
پشت پر لکھ بھیجا کہ جس شخص نے اُس کو یہ قدرت دی۔ اور اس قابل کیا اُسی سے
کہا جاوے کہ وہی آکر اس کو چھڑا دیوے۔ مجھ کو اُس کا یہ جواب دیکھکر سخت

افسوس ہوا۔ دوسرے روز میں اُس کے دیکھنے کو پھر قید خانہ گیا۔ دربانوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ تورات ہی سے آپ ہی آپ غائب ہوگیا۔ نہیں معلوم کہ زمین کھا گئی یا آسمان۔ تمام ملازمین محبس انتشار و اضطرار میں گرفتار تھے۔ میں یہ حالت دیکھکر دل ہی دل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے روحانی اختیارات اور آپ کے کشف و کرامات کا قائل اور معتقد ہوگیا۔

اس واقعہ کو متواتر کہا گیا ہے۔ اور فریقین کے علمائے کرام نے اپنی اپنی معتبر اور مستند تالیفات و تصنیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں۔ امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودۃ میں۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں۔ ملا عبد الرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور خاوندشاہ ہروی نے روضۃ الصفا دفتر سوم میں انہیں مضامین کے ساتھ لکھا ہے۔

صاحب روضۃ الصفا نے خاص طور پر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے یہ مشہور اور جامع کلمات قلمبند فرمائے ہیں۔ وہو ہذا۔

العامل بالظلم والمعین لہ والرّاضی بہ الشرکاؤ ھم۔ ظالم۔ ظالم کی اعانت کرنے والا۔ اور اُس کے مظالم پر راضی ہو جانے والا۔ حقیقت میں اُس کا شریک اور رفیق ہے۔ یوم العدل علی الظالم اشدّ من یوم الجور علی المظلوم۔ عدالت کا دن ظالم کے حق میں مظلوم پر ظلم کرنے والے دن سے زیادہ سخت اور شدید ہے۔ اھل العلم غرباؤ الکثرۃ الجھال بینھم۔ جب جاہلوں کی کثرت ہو جاتی ہے تو اہل علم غریب اور نا پرسان ہو جاتے ہیں۔ الصّبر علی المصیبۃ مصیبۃ شامل بھا۔ صبر مصیبت پر ایسی مصیبت ہے جو اُس مصیبت کے ساتھ ہے۔ اثنان علیلان۔ صحیح محتمی و علیل مخلط۔ دو قسم کے لوگ ہمیشہ علیل ہیں۔ ایک وہ صحیح المزاج جو ہمیشہ اپنی صحت کی طرف سے مشکوک اور مشتبہ رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو مختلف اقسام کے امراض میں بتلا ہے۔

تمّت بالخیر و العافیۃ

الحمد للہ علی الاحسانہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ الطیبین الطاہرین کہ بتاریخ دوم ماہ شوال المکرم یوم جمعہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری نبوی صلعم این کتاب تحفۃ المتقین را مرتب ومکمل ساختہ۔ اکنون بہ تحریر ونقل کتاب دہم بپرداختم۔ الٰہی توفیق این حقیر سراپا تقصیر را وسیع فرمایاد۔ بحق محمد وآلہ الامجاد۔ واخر

دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

والصلوٰۃ والسلام علی محمد

وآلہ المیامین المنتجبین

الیٰ یوم الدین

❖

کوآتھ ضلع آرہ
۲ شوال - یوم جمعہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری
نبوی صلعم

المولف عبدہٗ احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی
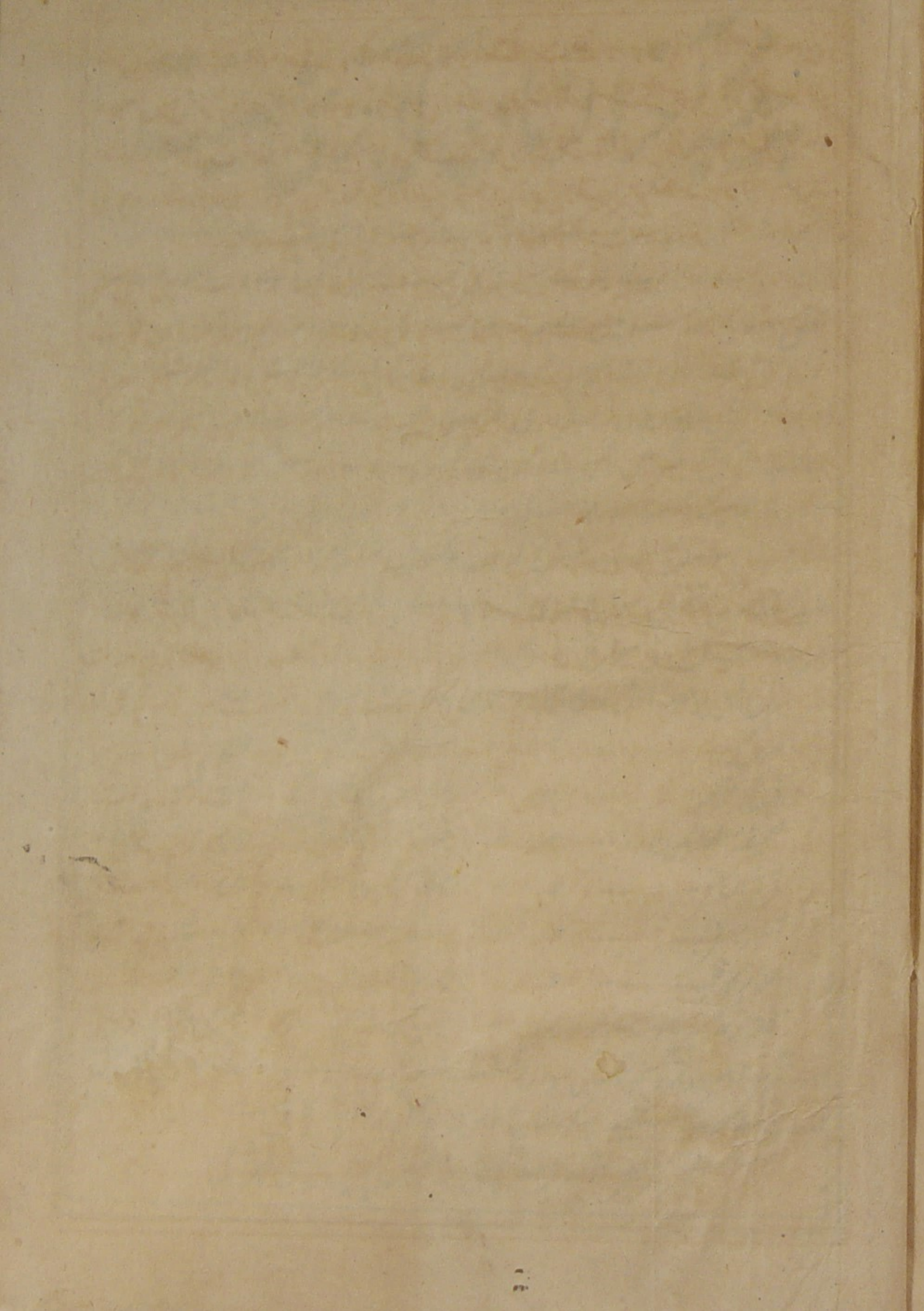
پیغمبر آخر الزماںؐ کی آخری وصیت

یعنی حدیث ثقلین میں ہم کو کتاب اللہ اور عترت و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لئے ہم نے جس قومی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے وہ یا کلام اللہ سے متعلق ہے یا ائمہ معصومین علیہم السلام کے اذکار و ارشادات و ہدایات ہیں۔ چنانچہ ائمہ اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین کی پاک زندگی کے حالات و واقعات شائع و ذائع کرنا بھی ایک بڑی اور ضروری خدمت تھی۔ جسے عالیجناب مولوی السید اولاد حیدر صاحب فوقؔ بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ گوآتھ ضلع آرہ۔ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے بارہ معصوموں کی سوانح قلمبند فرما کر پورا کردیا۔ اور سلسلہ بہ سلسلہ یہ سوانح عمریاں ملک میں شائع ہو رہی ہیں۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی مفصل سوانح عمری تو یہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مابقی بزرگواروں میں سے صرف حسب ذیل کی سوانح تیار ہیں۔

سراج المبین حصہ اول و دوم یعنی سوانحمری جناب امیر علیہ السلام — ہدیہ ۔ — ختم ہوگئی

سرو چمن۔ ... " " جناب امام حسن علیہ السلام — ہدیہ عہ/

ذبح عظیم۔ ... " " جناب امام حسین علیہ السلام — ہدیہ للعہ/

صحیفۃ العابدین۔ ... " " جناب امام زین العابدین علیہ السلام۔ — ہدیہ ۔ — ختم ہوگئی

مآثر الباقریہ۔ ... " " جناب امام محمد باقر علیہ السلام۔ — ہدیہ ۸/

آثار جعفریہ۔ ... " " جناب امام جعفر صادق علیہ السلام — ہدیہ عہٖ/

علوم کاظمیہ۔ ... " " جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام — ہدیہ ۱۲/

تحفۂ رضویہ۔ ... " " جناب امام رضا علیہ السلام — ہدیہ ۸/عہ

امام دہم۱۰ سے امام دوازدہم۱۲ تک کی سوانح سلسلہ بہ سلسلہ یکے بعد دیگرے انشاء اللہ تعالیٰ پیش کیجائینگی۔ اب انکے مطالعہ سے مستفید ہو کر فلاح دارین حاصل کرنا آپ کا کام ہے۔

منیجر جوہر اینڈ کمپنی۔ مقبول پریس چتلی قبر دہلی

موسوم مقبول ترجمہ یعنی کتاب اللہ

موافق و مطابق روایات اہلبیت علیہم السلام

الحمد للہ کہ قرآن مجید کا ترجمہ اردو وہ بھی موافق روایات اہلبیت علیہم السلام جسکی کہ سخت ضرورت تھی نہایت خوبی سے تیار ہوگیا چنانچہ مقبول ترجمہ یعنی قرآن مجید مترجمہ جناب مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی ابتدا سے اس وقت تک تقریباً پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ کیا یہ مقبولیت عام کی سند نہیں ہے؟ فرقہ شیعہ میں اتنی کامیابی بڑی بات ہے۔ اس تعداد کے شائع ہو جانے نے بتادیا کہ مقبول ترجمہ یقیناً ایک قومی ضرورت تھی اور مقبولیت عام اسے حاصل کیوں نہ ہو جبکہ اس کے مترجم عالی جناب مولانا مولوی حکیم السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی مدظلہ العالی نے خالصۃً لوجہ اللہ اس خدمت کو انجام دیا ہے اور ترجمہ کرنے میں اپنی ذاتی قابلیت و استعداد و شہرۂ آفاق ملکہ خاص کے باوجود محض عند اللہ بری الذمہ ہونے کی خاطر علمائے اعلام و مجتہدین عظام علی الخصوص جناب نجم الملۃ والدین حضرت نجم العلماء مجتہد العصر والزمان مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور استاذ الکل فی الکل حضرت مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان دامت برکاتہم کو اسکا ایک ایک لفظ سنا لیا تب شائع کیا۔

مقبول ترجمہ کی نسبت ایک خاص خصوصیت علاوہ خط نسخ و نستعلیق و چھاپہ کی صفائی وغیرہ کے صحت الفاظی کا اتنا کافی اہتمام کیا گیا ہے کہ اغلاط نہایت احتیاط سے درست کر لی گئی ہیں اور ہمارے علم و یقین کی رو سے اب ایک غلطی بھی باقی نہیں رہی۔ جو خوبی دوسرے قرآن شریفوں میں ملنی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

اگر آپکو احکام خدا و رسولؐ و ائمہؑ پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کرنی منظور ہو تو اس کلام پاک کی تلاوت کا حظ حاصل کریں اور نہ صرف تلاوت کی حلاوت بلکہ ترجمہ و حواشی پڑھکر اسکے مطالب کو بھی سمجھیں اور گویا نکات قرآن صامت (کلام الٰہی) کو قرآن ناطق (معصومین علیہم السلام کی زبان میں بھی سمجھ لیں تو ہم سے مقبول ترجمہ منگا لیجیے اور اسمیں تلاوت کیجیے پھر دیکھیے کہ کلام الٰہی کی ساتھ ساتھ کلام رسولؐ اور کلام امامؑ جو امام الکلام ہوتا ہے کیسا لطف دیتا ہے۔

شرح ہدیہ و اجرت جلد بندی و ذکر ضمیمہ وغیرہ مفصل حالات کیلئے فہرست کارخانہ طلب فرمائیے۔

ہدیہ۔ کاغذ قسم اول ۵عہ کاغذ قسم دوم ۱۲/۵عہ کاغذ قسم سوم ۳عہ فی جلد غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس۔ چتلی قبر دہلی۔

۱. تحفہ رضویہ — سوانح عمری امام علی رضا ع

۲. تحفۃ المتقین ۔ سوانح عمری امام محمد تقی ع.

ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم

۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء

تحفۃ المتقین

یعنی

سوانح عمری جناب امام محمد تقی علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع آرہ مؤلف شرح اربعین

سرو چمن ذبح عظیم مآثر الباقریہ آثار جعفریہ علوم کاظمیہ

تحفۂ رضویہ تحفۃ المتقین النقی العسکری و

در المقصود فی احوال المہدی الموعود

در مطبع مقبول پریس دہلی باہتمام منشی سید رضا علی صاحب طبع گردید

اُن علما اور اُن کتابوں کے نام جن کے مضامین اس کتاب میں لئے گئے ہیں

نمبر	نام کتاب	مؤلف کا نام
۱	صواعق محرقہ	ابن حجر
۲	تاریخ طبری فارسی	عبداللہ بن جریر طبری
۳	روضۃ الصّفا	خاوندشاہ ہروی
۴	ینابیع المودّۃ	امام سلیمان بلخی قندوری
۵	فصل الخطاب	خواجہ محمد پارسا
۶	شواہد النّبوۃ	مُلّا عبد الرحمٰن جامی
۷	جلاء العیون	مُلّا باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ
۸	لواعج الاحزان	مولوی سید محمد مہدی صاحب
۹	ارجح المطالب	خواجہ عبید اللہ حنفی امرتسری
۱۰	لسان الواعظین	محدث شیرازی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ الطیبین
الطاہرین الی یوم الدین

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ **سیرۃ اہلبیت طاہرین** سلام اللہ علیہم اجمعین کا
نواں نمبر بھی جس کو ہم نے **تحفۃ المتقین** کے نام سے موسوم کیا ہے۔
بخیر و خوبی تمام ہو گیا۔ الحمد للہ رب المعبود وھو مطلوبٔ ومقصود۔

ہمارے سلسلہ کے تمام نمبروں میں یہ سب سے چھوٹی اور مختصر کتاب ہے۔ کیونکہ
جس بزرگوار کے حالات اس میں جمع کئے گئے ہیں وہ صرف پچیس ۲۵ برس تک دنیا میں
زندہ رہا۔ اور اپنی اتنی قلیل زندگی میں بھی تمام عمر مخالفین اور مخاصمین کے کثیر التعداد
مجمع میں بتیس ۳۲ دانتوں میں ایک زبان کی صورت بنا رہا۔ پھر ایسے مجبور اور معذور
بزرگ کے حالات کثرت سے نہ مل سکتے ہیں اور نہ اُس کی خاص کتاب کا حجم
بڑھ سکتا ہے۔ ہاں ارشاد و اقوال لکھکر مضامین کا سلسلہ بڑھاجا سکتا تھا مگر ہماری
سیرت نگاری کی موجودہ ضروریات سے اُس کو کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔
بہر حال۔ اس مختصر سے رسالہ میں اور اس چھوٹی سی کتاب میں حضرت امام محمد تقی
علیہ السلام کے حالات آپ کی ولادت باسعادت کے روز سے لیکر آپ کی وفات
حسرت آیات کے آخر دن تک جمع کر دئے گئے ہیں۔ اور مامون اور معتصم کے ایام

حکومت کے وہ واقعات بھی پوری تفصیل کے ساتھ خاص طور پر مندرج کردئے گئے ہیں جو آپ کی وفات بابرکات سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ ام الفضل کی مخالفت اور اُس کے خاص اخیر حالات بھی کامل صراحت کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ سیرت کے متعلق تمام حالات ختم کر کے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے اخلاق۔ مکارم۔ عادات اور اقوال و ارشادات ایک علیحدہ باب میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ جو ناظرین کتاب کی زیادہ دلچسپی اور قبولیت کا باعث ہونگے۔ انشاءاللہ المستعان۔

انہیں مضامیں کو لئے ہوئے۔ یہ کتاب بھی بزرگان قوم وملّت کی خدمات میں پیش کی جاتی ہے۔ امید کہ ان کی بالغ نظری اور ذرہ پروری اس کے رطب ویابس پر نظر غور فرما کر مؤلف کو دعائے خیر سے فراموش نہ کریگی ع۔ بر کریمان کارہا دشوار نیست۔

بلگرام ضلع ہردوئی۔ ممالک متحدہ
آگرہ واودھ
۲۶ جمادی الثانی روز دوشنبہ ۱۳۲۸ ہجری
مطابق
۴ جولائی ۱۹۱۰ عیسوی

المؤلف احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اسم مبارک آپ کا محمدؐ - کنیت ابوجعفر ثانی - اور مشہور ترین لقب تقی (علیہ السلام) ہے - ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس طبقہ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو ابوجعفر اوّل اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو ابوجعفر ثانی کی مقدس کنیت سے ذکر کرتے ہیں۔

ولادت باسعادت آپ کی بعض کتابوں میں پندرھویں یا اُنیسویں ماہ رمضان المبارک ۱۹۵ھ ہجری میں جمعہ کے دن واقع ہوئی - اور بعض کتابوں میں آپ کی ولادت دسویں رجب کو بتلائی جاتی ہے - اور عام طور سے علمائے کبار رضوان اللہ علیہم کا اسی پر اتفاق ہے۔

مقام ولادت آپ کا مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً ہے - آپ کی ولادت باسعادت امین کے ایام سلطنت میں واقع ہوئی - آپ کی والدہ مقدسہ کا نام سبیکہ نوبیہؓ تھا - اور بعضوں نے خیزرانؓ - ریحانہؓ - اور سکینہؓ بھی بتلایا ہے - تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ یہ خاتون محترمہ حضرت ماریہ قبطیہؓ مادر جناب ابراہیم ابن حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقارب سے تھیں۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ مناقب میں تحریر فرماتے ہیں کہ عُلیا مکرمہ حضرت حکیمہ رض دختر نیک اختر جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے میرے بھائی حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے بُلا بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوئی تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بہن۔ آج تم میرے گھر رہجاؤ۔ خیزران کے بطن سے خدائے تبارک وتعالےٰ آج رات کو ایک فرزند مجھے عطا فرمائے گا۔ جس کی ولادت کی خدمات میں خاص طور پر تم سے متعلق کرتا ہوں۔ حکیمہ رض فرماتی ہیں کہ میں یہ سنکر کمال مسرور ہوئی۔ اور میں نے نہایت مفاخرت سے آپ کے فرمان کی تعمیل کی۔ جب رات ہوئی تو ہمسائے کی دو چار عورتیں اور بھی خدمات ولادت انجام دینے کے لئے بلالی گئیں۔ جب نصف شب سے زیادہ گزر گئی تو یکایک خیزران رض میں وضع حمل کے آثار ہویدا اور آشکار ہوئے۔ یہ حالت دیکھکر میں اُنہیں حجرے میں لے گئی۔ اور چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں آفتاب امامت نے طلوع کیا۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام متولد ہوئے۔ ایسی حالت میں کہ مختون بھی تھے۔ اور ناف بُریدہ بھی۔ میں نے اُسی وقت آپ کو اپنی گود میں لیکر اُس طشت پر غسل دینے کے لئے بٹھلا دیا جس کے سامنے چراغ روشن تھا۔ وہ چراغ گُل ہوگیا۔ مگر اُس چراغ کے گُل ہو جانے سے بھی اُس حجرے میں ذرا تاریکی نہیں ہوئی۔ اور اُسی طرح بغیر چراغ کے اُس وقت کی تمام ضروری خدمات اور ضروریات انجام دیتی رہی میں یہ حالت دیکھکر سخت متعجب تھی کہ اتنے میں میرے برادر گرامی قدر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام تشریف لائے۔ ہم نے اُس مولود مسعود کو جلدی سے کپڑے پہنا کر آپ کی آغوش مبارک میں دیدیا۔ آپ نے بچے کے سر اور آنکھوں کو چوم لیا۔ اور پھر میری گود میں دیکر فرمایا کہ اب تم انہیں گہوارے میں رکھکر تین دن تک ان کے پاس موجود رہو۔ حضرت حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے گہوارے کی حفاظت تین دن تک برابر کرتی رہی۔ دو روز تک حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں۔ تیسرے دن آپ نے خود بخود اپنی آنکھیں کھولکر سب سے پہلے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور اپنے یمین و یسار نگاہ فرما کر غایت فصاحت اور نہایت بلاغت سے ارشاد فرمایا اشھد ان لآ الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[illegible] یہ کیفیت دیکھکر سخت متعجب ہوئی۔ اور اسی وقت دوڑی ہوئی اپنے
برادر عالیشان جناب امام موسی رضا علیہ السّلام کی خدمت میں آئی اور ساری روئداد بیان
کی۔ آپ سنکر از حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا۔ بہن۔ میرا یہ فرزند دلبند حجّت اللہ اور وصی
حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس لئے جو عجائب و غرائب اسکی ذات
سے عام مشاہدہ میں نہ آئیں وہ تعجب کا مقام اور حیرت کی جگہ نہیں ہو سکتے۔

فرقۂ واقفیہ اور حضرت امام محمدؐ تقی علیہ السّلام

جہاں تک تاریخ و سیر کی کتابوں سے تلاش کی گئی ہے یہ امر ثابت ہوا ہے کہ حضرت امام محمد تقی
علیہ السلام کی ولادت کے وقت اور اُس کے بعد بھی فرقۂ واقفیہ کی بہت بڑی شورش کا زمانہ
تھا۔ اور وہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی مخالفت میں نہایت شدّت کا اظہار
کر رہے تھے۔

اپنی تمام گمراہانہ تعزیرات کا دنداں شکن جواب پاکر جب اُن غلط فہموں کو کوئی اور اعتراض
نہیں ملا تو اُنہوں نے صاف صاف لفظوں میں اس وقت تک آپ کے لاولد رہنے کو آپ کی
امامت کا منافی جانا۔ اور معاذاللہ کہنے لگے کہ آپ تو عقیم ہیں۔ اور عقیم امام نہیں ہو سکتا چنانچہ
کتاب الصّافی شرح اصول کافی میں مرقوم ہے۔

کتب ابن قیاما الی ابی الحسن علیہ السّلام کتابا یقول فیہ تکون اماما ولیس لک ولد
فاجابہ الحسن علیہ السّلام شبہ المغضب وما علمک انّہ یکون لی ولد واللہ لا
تمضی الایام واللّیالی حتّی یرزقنی اللہ ولدا ذکرا یفرق بہ بین الحق والباطل۔

یعنی ابن قیامائے واقفی نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ آپ کیسے
(معاذاللہ) امام ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی کوئی اولاد موجود نہیں۔ جناب امام موسی رضا
علیہ السلام نے اُس کو جواب میں لکھ بھیجا۔ تجھے اس امر کا کیسے یقین ہو گیا کہ میرے کوئی اولاد
نہیں ہوگی۔ خدا کی قسم بہت دن اور راتیں نہیں گزرینگی کہ خدائے واہب العطایا مجھے ایک
فرزند عنایت فرمائیگا جو دنیا میں حق کو باطل سے جُدا کریگا۔

ابن قیاما نے جو تمام فرقۂ واقفیہ میں بہت بڑا صاحب کلام اور مناظرہ کا امام مشہور تھا۔ اُس نے
اس مسئلہ کو حاضر خدمت ہو کر بھی پوچھا ہے چنانچہ وہ خود ناقل ہے۔

دخلت علی علی ابن موسی علیہما السّلام فقلت ایکون امامان قال لا الّا واحدھما صامت

فقلت له هو ذا انت ولیس لك صامت ولم یکن ولد له ابو جعفر علیه السلام بعد فقال واللہ لیجعلن اللہ ما یثبت به الحق واھله ویمحق به الباطل واھله فولد له بعد ستة ابو جعفر علیه السلام۔

میں نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ ایک وقت میں دو کام ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر اس حالت میں کہ ایک ساکت ہو۔ یعنی ایک وصی اور دوسرے کے بعد وہ امام ہو۔ میں نے کہا وہ ساکت آپ ہی امام ہیں کیونکہ آپ کا کوئی وصی نہیں ہے۔ اُس وقت تک جناب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تبارک و تعالےٰ مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرمائیگا کہ اُس کے ذریعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ سال ہی بھر کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ محمد ابن علی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مژدہ پاکر آپ نے جملہ حاضرین خدمت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ میرا یہ فرزند ایسا منتخب اور برگزیدہ ہے جس کی برکت اور عظمت کی مثال آج تک کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ کیونکہ اس کی ولادت کی وجہ سے ہمارے متبعین اور مخصوصین اپنے مخالفین کی اُن تعریضوں سے کہ امام عقیم نہیں ہوتا مطمئن اور بیخوف ہو گئے۔

محمد ناقل ہیں کہ اس کے بعد آپ اپنے فرزند دلبند کو خانۂ امامت سے باہر نکال لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اس کا پیراہن اُتار ڈالو۔ میں نے حسب الحکم وہ ننھی سی قمیص اُتار لی۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے شانوں کے درمیان غور سے دیکھو تو۔ میں نے حسب الحکم غور سے دیکھا تو انگوٹھی کے ایسا نشان معلوم ہوا جیسے آپ کے جسم مبارک میں گوشت تک پیوست ہو گیا ہو۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم لوگوں نے دیکھ لیا۔ میرے والد بزرگوار علیہ السلام کے مابین کتفین بھی ایسے ہی نشان تھا۔ یہاں تک تو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنی غایت حسن تدبیری سے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت کے متعلق اپنے تمام مخصوصین اور متبعین کو وصیت اور ہدایت فرمائی۔ اس لئے کہ اُس زمانہ میں آپ کے مخالفین۔ مذبذبین۔ فرقۂ واقفیہ کے لوگ۔ جیسی کچھ شورش کر رہے تھے وہ آنکھوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اُنکی مغویانہ تحریک و ترغیب سے یہ خوف ضرور تھا کہ اُن کی گمراہانہ تحریص مومنین خالصین پر بھی اپنے زہریلے اثر نہ پھیلائے۔ اس لئے قطعی طور پر ضروری ہو گیا تھا کہ آپ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی

امامت کی نسبت اُن کا پورا اطمینان کر دیں۔

ہم نے جہاں تک جناب امام رضا علیہ السلام کے حالات کی اس زمانہ میں تحقیق کی ہے ہمکو یہ امر پورے طور سے معلوم ہوا ہے کہ مخالفین زمانہ کی بیجا اور نازیبا کوششوں نے آپ کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اور اُن کی آئے گئے دن کی لاولد ہونے کی فریقیں آپ کے بہت بڑے ملال خاطر کا باعث ہوتی تھیں۔ جب فضل خدا سے لاولد ہونے کا نقص اُنکی حسابوں آپ کی ذات مستغنی الصّفات سے زائل ہو گیا اور حضرت واہب العطایا نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ایسا بے مثال نونہال آپ کو عنایت فرمایا تو اب مخالفین کے لئے کوئی اعتراض کا پہلو نہ رہا۔ تو اُنہوں نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کم سنی کی نسبت اعتراض نکالے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی کم سنی میں امام ہونے پر اعتراض

محمد ابن علی ناقل ہیں کہ یہی ابو قیاما حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے بعد ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میں نے آپ سے ایک مرتبہ قبل از ولادت آپ کے فرزند کے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد کون امام ہوگا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میرا بیٹا امام ہوگا۔ تو خداوند تعالےٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ جس سے ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ مگر اب یہ تو بتلائیے کہ اگر آپ کی اجل موعود واقع ہو جائے یا اسی کے ایسا کوئی اور موقع پیش آجائے تو پھر کس کی طرف حل مسائل کے لئے رجوع کیا جائیگا۔ آپ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ امام ہے۔ جو نہایت کم سن تھے۔ اور اُس وقت آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ ابن قیاما نے عذر کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ابھی تو کل تین برس کے یہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کیا ہوتا ہے۔ ان کا تین برس کا ہونا ان کی امامت کا منافی نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ فرزند تو تین برس کا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا ہے کہ سورۂ مریم علیہا السلام میں جناب احدیت عزّ اسمہ نے حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا وآلہ و علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق خود جناب عیسےٰ کی زبانی خبر دی ہے کہ اُنہوں نے اپنی ولادت کے بعد فوراً علےٰ روس الاشہاد تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور مجھ کو میرے خدا نے جمیع احکام توریت اور تمام علوم عنایت فرمائے ہیں۔

جب اوائل ولادت میں اُنکی یہ حالت ہوئی تو تین برس کے سن میں ان کے کمال کو بدرجہٗ اولےٰ ہونا چاہیئے۔

یہ حالات و واقعات بتلا رہے ہیں کہ فرقۂ واقفیہ کے لوگوں کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کیسی سخت عداوت تھی۔ اور اُن کا کوئی وقت ایسا نہیں تھا جو آپ کی تعریض سے خالی پایا جاتا ہو۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وراثت اور عموم سادات کی مخالفت

یہ تو وہ دشواریاں تھیں جو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق فرقۂ واقفیہ کے لوگوں سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو اٹھانی ہوئیں۔ اب ہم وہ آپ کی مصیبتیں لکھتے ہیں جو آپ کو اپنے عزیز و اقارب کے ہاتھوں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وراثت کے متعلق اُٹھانی ہوئیں۔ یہ تو تحفۂ رضویہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ابنائے جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے آپ کو عاجز اور پریشان کرنے میں اپنی مخالفت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں چھوڑا۔ اسی کے سلسلہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے بعد بھی اُن کا ایک سخت مخالفانہ حملہ آپ پر ہوا۔ اُس کی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

جب ان لوگوں نے دیکھ لیا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت سے اُن کی برسوں کی یہ آرزوئیں اور تمنائیں کہ ہم جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے بعد آپ کی تمام جائداد اور جملہ مال و متاع کے وارث اور مالک ہونگے۔ بالکل جاتی رہی۔ اور اُنھوں نے اپنی خودغرضی اور نفسانیت کی وجہ سے یہ دعوےٰ پیش کیا کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام رنگت میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام سے نہیں ملتے۔ اس لئے یہ قیاس یقینی طور پر صحیح ہو سکتا ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے صرف ہم لوگوں کو اپنی وراثت سے محروم رکھنے کے لئے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنا بیٹا قرار دیا ہے۔ ورنہ اس مسئلہ کی کوئی اصلیت نہیں۔

حقیقت میں یہ ایک نئی قسم کی تعریض تھی۔ اور بالکل انوکھی تحریک۔ جسکی مثال بہت کم پائی جائیگی۔ ہم اس واقعہ کی مفصل کیفیت طافی شرح اصول کافی کی عبارت سے تحریر کرتے ہیں۔

عن احمد ابن محمّد علی قال سمعت علی ابن جعفر یحدث الحسین ابن الحسین بن علی

ابن الحسین فقال لہ الحسن ای واللہ جعلت فداك لقد ابغی علیه اخوته ونحن ایضا فقال علی ابن جعفر ای واللہ ونحن عمومته بغینا علیه فقال لہ الحسن اجعلت فداك کیف صنعتم فانی لم احضرکم قال لہ اخوته ونحن ایضا ما کان فینا امام قد حائل اللون فقال الرضا علیہ السلام هو ابنی قالوا فان رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم قضی بالقیافة فبینا وبینك القیافة قال ابعثوا انتم الیهم فاما انا فلا ولا تعلموهم لما ادعوتموهم ولیکونوا فی بیوتکم فلما جاء وا قعد وانا فی البستان واصطف عمومته واخوته واخوانه واخذ والرضا علیہ السلام البسوه جبة صوف فلبسوه منها ووضعوه علی عنقه مسحاة وقالوا له ادخل البستان کانك تعمل فیه ثم جاء وابی جعفر علیہ السلام فقالوا الحقوا هذا الغلام بابیه فقال الیس له ههنا ان اب فهو صاحب البستان فان قدمته واحدة فلما رجع ابو الحسن علیہ السلام قالوا هذا ابوه۔

احمد ابن محمد علی کا بیان ہے کہ میں نے علی ابن جعفر کو جو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے چچا تھے حسن ابن الحسین ابن علی ابن الحسین کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سُنا ہے کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے ہر طرح سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی حمایت فرمائی۔ حسن نے پوچھا کیونکر۔ کیا فی الحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں؟ علی ابن جعفر نے کہا ہاں۔ خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ جب ان کے بھائیوں نے ان سے مخالفت کی اور کچھ بھائیوں پر منحصر نہیں۔ اُن کے چچا لوگوں نے بھی اُن سے اختلاف کیا۔ حسن نے ان کا قطع کلام کر کے کہا کہ ہاں آپ یہ حالات ضرور بیان فرمائیں کہ یہ واقعہ کیسے اور کیونکر ہوا۔ کیونکہ میں اُن دنوں آپ لوگوں کے ساتھ یہاں موجود نہیں تھا۔ علی ابن جعفر نے کہا کہ آپ کے بھائیوں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق آپ کی خدمت میں یہ اعتراض کیا کہ ہم میں سے کوئی امام سیاہ فام نہیں ہوتا۔ آپ نے اُن کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ یہ میرا ہی فرزند ہے۔ یہ سنکر بھائیوں نے کہا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی علمائے قیافہ کے فیصلہ (اُسامہ ابن زید کے معاملہ میں) پر اعتبار کیا ہے۔ پس اس امر میں جو وہ لوگ ہمارے آپ کے درمیان فیصلہ کر دیں اُسپر ہم اور آپ دونوں راضی ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں اُن کی ضرورت ہو تو بُلاؤ۔

مجھے تو اُن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سُنکر اُن لوگوں نے چند علمائے قیافہ کو بلا بھیجا اور فیصلہ کے دن اُن لوگوں نے تمام سادات کو جمع کیا۔ حتےٰ کہ خواتین کو بھی اُس میں شامل کیا۔ اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے سب بھائی۔ چچا اور پھوپھیاں ایک قطار میں کھڑی ہوئیں۔ اور خاص حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اُن لوگوں نے عام مزدوروں کے لباس میں صوف کا ایک جُبّہ پہنا کر اور گداری آپ کی دوش مقدس پر رکھکر باغ میں کام کرنے کے لئے بھیجدیا۔ اس لئے کہ علم قیافہ کے لوگ آپ کو معمولی باغبان سمجھکر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ابویت کا خیال نہ پیدا کر سکیں۔ بہرحال۔ آپ بھی اُسی لباس سے باغ کے اندر کام کرنے کو چلے گئے۔ اور یہ لوگ صف بستہ باغ کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو بلا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ پھر اتنے میں علم قیافہ کے علماء آئے۔ اور اُن لوگوں نے انسے پوچھا کہ اس کا باپ اس مجمع میں کون ہے۔ جو ہو اُس سے اس کو ملا دیا جاوے۔ یہ سُنکر اُن لوگوں نے اُس جماعت کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ بغور دیکھا۔ اور فوراً کہا کہ موجودہ لوگوں میں اس لڑکے کا باپ کوئی نہیں ہے۔ لیکن۔ یہ شخص اور وہ شخص اس کے چچا ہیں۔ اور یہ خواتین اس کی پھوپھیاں ہیں۔ پھر ذرا سے تاَمّل کے بعد اُن لوگوں نے کہا کہ اس مقام پر اگر کوئی شخص اس بچّے کا باپ ہے تو وہی شخص (حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام) جو باغ میں مصروف کار ہے۔ کیونکہ اُس شخص کی رفتار اس بچّہ کی رفتار سے بالکل مشابہت اور مماثلت رکھتی ہے۔ اسی اثنا میں جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام باغ کے اندر سے تشریف لائے تو اُن لوگوں نے آپ کا فوراً ہاتھ پکڑ لیا اور یک زبان ہو کر کہا کہ اس لڑکے کے باپ آپ ہی ہیں۔

قال علی ابن جعفر علیہ السّلام فقمت فمصصت ریق ابی جعفر علیہ السّلام ثمّ قلت اشھد انّك امامی عند اللہ فبکی الرّضا علیہ السّلام ثم قال یا عم الم تسمع ابی وھو یقول قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم بابی ابن خیرۃ الاماء ابن النّوبیّۃ الطّیّبۃ الفمّ والرّحم ویلھم لعن اللہ الاعبس وذرّیّتہ صاحب الفتنۃ وتقتّلھم سنین وشھورا وایّاما یسوموھم خسفا ویسقیھم کاسا مصرۃ وھو الطرید الشّرید الموتور بابیہ وجدلہ صاحب الغیبۃ یقال مات

اوھلک ای واذ سئلک افیکون ھذا یا عم الامنی فقلت صدقت جعلت فداک۔
علی ابن جعفر علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ احوال مشاہدہ کر کے مجھے تاب ضبط باقی نہیں رہی
میں بے اختیار ہو کر آگے بڑھا۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے لبہائے مبارک
کے بوسے لئے۔ اور کہا کہ آپ بیشک خدائے سبحانہ تعالےٰ کی طرف سے ہمارے امام اور
پیشوا ہیں۔ میری یہ حالت ملاحظہ کر کے جناب امام موسی رضا علیہ السلام رونے لگے۔
اور ارشاد کیا کہ اے چچا آپ کو میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام
کی زبانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث یاد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے
ماں باپ اُس کنیز کے فرزند پر فدا ہوں جو تمام زنان نوبیہ سے بہتر ہے۔ جسکی بوئے دہن
خوشگوار اور معطر ہے۔ اور اُس کا رحم تمام آلائش سے پاک ہے۔ قوم اعبس کے لوگ
اور اُن کی ذریات خدا کی لعنت کے مستحق ہونگے۔ اور وہ اہل فساد بعد مرور ایام و
شہور وسنین معہودہ ہلاک کئے جائینگے۔ اور اُن کو شراب مرگ پلائی جائیگی صاحب
غیبت علیہ السلام کے ہاتھ سے۔ کیا عمو۔ ایسا آپ نے نہیں سُنا ہے۔ میں نے عرض کی
میں آپ پر فدا ہوں۔ بیشک میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔
بہرحال۔ اس واقعہ سے کماحقہٗ معلوم ہو گیا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے
پریشان اور رسوا کرنے میں بھائیوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر چونکہ تائید ربانی
اُن کے مقاصد واغراض کے مخالف تھے۔ اس لئے اُن کو اپنے کسی امر میں سوائے
ذلت وپشیمانی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام پر ان لوگونکا
یہ دوسرا حملہ تھا۔ پہلا حملہ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے ترکہ اور وراثت کے متعلق تھا۔
جو اوپر لکھا گیا۔ اور دوسرا حملہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولدیت کی نسبت یہ تھا جو ابھی
ابھی بیان کیا گیا۔ اور ان دونوں حملات بیجا کا جو نتیجہ نکلا۔ وہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔
یہ واقعہ۔ جو ان حضرات کی دوسری تعریض تھی۔ ایسا لغو اور مُہمل تھا جس پر کوئی صاحب تمیز
کبھی کوئی توجہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی حسن تدبیر عاقبت اندیشی
اور امن پسندی کے اعلےٰ ترین محاسن یہ بھی تھے۔ کہ آپ نے اُنکی ایسی لغو اور بے اصل
تعریض کی نسبت اُنہیں لوگوں کی تجویز اور فیصلہ کے مطابق محکمہ کئے جانے کی شرائط کو
قبول ومنظور کر لیا۔ غور کی نگاہ سے دیکھا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ امام منصوب من اللہ